September 2022

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

ملت اسلامیہ کا فرض منصبی

''امت اسلامیہ کو قافلہ انسانیت کی قیادت اور دنیا کی نگرانی اور عقائد واخلاق اور انفرادی وبین الاقوامی تعلقات پر نظر رکھنی چاہیے، اس لیے کہ قومیں صرف تاریخ کے سہارے یا اپنی عظمت رفتہ اور گذشتہ کامرانیوں کی بدولت نہیں، بلکہ جہد مسلسل، دائمی سرگرمی، مستقل احساس ذمہ داری، ہمہ دم قربانی کے لیے آمادگی، جدت وندرت اور اپنی تازہ کار قوتِ افادیت وصلاحیت کے بل پر زندہ وتابندہ رہتی ہیں، وہ جب اپنے منصب ومقام کو چھوڑ کر گوشہ عافیت میں چلی جاتی ہیں، تو تاریخ کے دفتر پارینہ کا حصہ بن جاتی ہیں اور زمانہ انہیں طاق نسیاں پر رکھ دیتا ہے، اس لیے امت محمدیہ ﷺ کے لیے ضرورت ہے کہ وہ از سر نو اپنے دعوتی، تہذیبی اور قائدانہ کردار کے ساتھ سرگرم سفر ہو۔''

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مركز الإمام أبي الحسن الندوي

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

افترا پردازیاں

مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ

”رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں جب بعض منافقین کی شرارت سے امت کی سب سے بڑی مومنہ صدیقہ پر ایک نہایت گندی تہمت لگی اور اس کے چرچے پھیلے تو کلام مجید میں یہ دو آیتیں نازل ہوئیں: ﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْراً وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ﴾(النور: ١٢) (جب تم لوگوں نے یہ گندی حکایت سنی تھی تو مسلمان مردوں اور عورتوں نے اپنے لوگوں سے متعلق گمان نیک سے کام کیوں نہ لیا اور چھوٹتے ہی یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ صریح افتراء ہے۔) ﴿لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ☆ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَداً إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾(النور: ١٦-١٧) (اور جب تمہارے کانوں تک یہ گندی حکایت پہنچی تھی اسی وقت تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہم کو ایسی کوئی بات منہ سے بھی نہ نکالنا چاہیے، معاذ اللہ! یہ تو بڑی سخت تہمت ہے، اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو ایسی حرکت پھر ہرگز کبھی نہ کرنا۔)

خبر کے گڑھنے کا ذکر نہیں، اتہام تراشی کا مذکور نہیں، گڑھی ہوئی خبر کے صرف قبول کرنے اور بے سوچے سمجھے اس کے چرچے کرنے پر یہ ڈانٹ پڑ رہی ہے، کسی مسلمان پر افتراء تو کوئی مسلمان کیوں کرنے لگا، کسی افتراء کو قبول کرنا اور اس کی اشاعت میں معین ہونا بھی ہرگز کسی مسلمان کا کام نہیں ہوسکتا، ارشاد ہوتا ہے کہ ایسی نامعقول روایتوں اور حکایتوں کے سننے کے ساتھ ہی انہیں رد کر دینا چاہیے اور کسی مسلمان کی عزت پر حملہ سن کر اسی وقت اس کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دینا چاہیے، وہ مسلمان کیسا جو دوسرے مسلمان کی دیانت پر، عزت پر، اخلاق پر حملہ ہوتے ہوئے دیکھے اور چپکا بیٹھا رہے، یا یہ کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لے کہ سنا ایسا ہی تھا، اسے تو فوراً اس کی تردید کرنا چاہیے، بغیر اس کے وہ مسلمان ہی کیسا اور اس کا ایمان ہی کیا، آج دنیائے اسلام کے کسی گوشہ میں اس پر عمل ہے؟ پبلک جلسے ہوں یا گھروں کے اندر تخلیہ کی صحبتیں، اخبارات کے مقالات ہوں یا خانگی خطوط، کہاں یہی چرچے یہی تذکرے نہیں کہ فلاں لیڈر قوم کا روپیہ کھا گیا، فلاں مولانا صاحب چھپے رستم نکلے، شہر کے قاضی صاحب کی یہ یہ حرکتیں ظاہر ہوئیں، اس کے ہاں کی بہو بیٹیوں تک کی عزت کا ٹھیک نہیں؟ جہاں چار مسلمان جمع ہوئے، نہ خدا کا ذکر نہ رسول کا، نہ موت کی یاد نہ آخرت کی فکر، بس غیبتیں ہیں تو مسلمانوں کی اور بدگوئیاں ہیں تو اپنے ہی بھائی بندوں کی، ایک ایک گھر کے پتے کھل رہے ہیں اور دنیا جہاں کا کوئی عیب، کوئی الزام ایسا نہیں جو خود مسلمانوں ہی کی زبان سے مسلمانوں پر نہ لگ رہا ہو، تہمتیں تراشنے والے مسلمان، ان پر یقین کرنے والے مسلمان، انہیں پھیلانے والے مسلمان، نتیجہ رنجشوں، عداوتوں، مقدمہ بازیوں، فوج داریوں کی صورت میں روزانہ موجود ہے، لیکن زبان کی چاٹ ایسی پڑی ہوئی ہے کہ ساری تکلیفیں گوارا، لیکن ان چرچوں اور تذکروں سے ہاتھ اٹھانا ناممکن!“

(سچی باتیں: ۵۹-۶۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۴ | صفر المظفر ۱۴۴۴ھ - ستمبر ۲۰۲۲ء | شمارہ: ۹

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

لڑائی جھگڑے کی ممانعت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوْا: بَلَى! قَالَ: صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ فَإِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ."

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(کیا میں تمہیں ایسی چیز کے متعلق نہ بتاؤں جو مرتبہ کے لحاظ سے روزہ، نماز اور صدقہ سے بھی افضل ہو؟ صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں ضرور بتایئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آپس میں صلاح (میل جول) کرانا ہے، اس لیے کہ آپس کی لڑائی (دین کو) مونڈنے والی ہے۔)

(سنن الترمذی: ۲۵۰۹)

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 | E-Mail: markazulimam@gmail.com | سالانہ زرتعاون -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

خوش درخشید و لے شعلہ مستعجل بود! (اداریہ).....۳

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

دین اسلام کی نمایاں خصوصیات.....۴

.....مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

ذریعہ کی حیثیت اور فیصلۂ خداوندی.....۶

.....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

سماج میں ایک نئی تبدیلی کی ضرورت.....۷

.....مولانا عزیز الحسن صدیقی

بے قصور گرفتار مظلوموں کی مدد.....۸

.....مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

سچائی کیا ہے؟.....۱۰

.....بلال عبدالحی حسنی ندوی

نکاح کے چند مسائل (۴).....۱۲

.....مفتی راشد حسین ندوی

کتمانِ علم - ایک سنگین جرم.....۱۵

.....عبدالسبحان ناخدا ندوی

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کا مزاق شعر وسخن.....۱۷

.....محمد ارمغان بدایونی ندوی

فلسطین کا منظر نامہ.....۱۹

.....محمد نفیس خاں ندوی

یہ رتبہ کس نے پایا ہے...

نتیجۂ فکر:- محمد سمعان خلیفہ ندوی

درودوں میں سلاموں میں ترانوں میں اذانوں میں
نبی کا نام تاباں ہے زمینوں آسمانوں میں

کوئی بدبخت کیا جانے نبی کی شانِ رفعت کو؟
خدا اور سب ملائک ہیں نبی کے مدح خوانوں میں

شب اسراء میں سدرہ نے قدم چومے ہیں آقا کے
یہ رتبہ کس نے پایا ہے بھلا سارے جہانوں میں

بلائیں چاند لیتا تھا نبی کے روئے انور کی
کسی نے ایسا دیکھا ہے حسیں اب تک زمانوں میں؟

رخِ انور کو اے دل بر! نگاہِ شوق سے دیکھوں
تری تصویر کو چوموں خیالوں میں گمانوں میں

بھلا کوئی جہاں میں ہے پسینہ جس کا ایسا ہو؟
معطر اس سے خوشبوے ختن ہو عطر دانوں میں

ترے کوچے سے جو بادِ نسیم مشک بار آئی
مہک اٹھی ہیں کلیاں میرے دل کے گلستانوں میں

مرے محبوب کیسے ہیں ترے دشمن کو بتلاؤں؟
کہ ذکر خیر تیرا ہے سبھی ویدوں پرانوں میں

حکایت ہے ترے حسن عمل کی زندۂ جاوید
تری تمثیل کیا ملتی کسی کو داستانوں میں!

نبی پیارے تو ان کی بات بھی کیوں کر نہ پیاری ہو
ہوا سمعانؔ بھی حسن نبی کے قدر دانوں میں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

خوش درخشید ولے شعلہ مستعجل بود

بہت سے الفاظ کثرت استعمال سے اپنی معانی کھو دیتے ہیں، ان ہی میں ’’داغ مفارقت‘‘ بھی ہے، لیکن عزیزی محمود نے مفارقت کا جو داغ دیا مشکل ہے کہ وہ مندمل ہوسکے، وہ عمر میں مجھ سے تقریباً دو سال چھوٹے تھے، بچپن سے ہم دونوں کا ساتھ تھا جو اخیر تک رہا، ان کو دین کا ذوق بچپن سے حاصل تھا، جو عمر کے ساتھ بڑھتا گیا، وہ اپنے زہد اور دنیا سے بے رغبتی میں بہت آگے گئے، ہر کام میں ان کے سامنے دینی فائدہ ہوتا، دنیا کے کسی ادنیٰ فائدہ سے ان کو کوئی رغبت نہ تھی، ان کو شروع سے بزرگوں سے استفادہ کا شوق تھا، مشائخ عصر کی خاص توجہ وشفقت ان کو حاصل رہی، متعدد مشائخ سے ان کو اجازت وخلافت بھی ملی، مگر انہوں نے کہیں اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی ان پر خاص نظر شفقت تھی، اخیر میں وہ حضرت کے علمی کاموں میں معاون بنے، خاص طور پر کاروان زندگی کی آخری جلد کی تکمیل جو حضرت نے معذوری کے زمانہ میں کی، محمود نے حوالوں کی تلاش میں بڑی مدد کی اور حضرت کی دعائیں لیں، اس کے مقدمہ میں حضرت نے ان کا تذکرہ کیا اور دعائیں دیں، ان کی وفات کے بعد وہ حضرات شیخین کے ہوکر رہ گئے، سفر وحضر میں جانشین مفکر اسلام حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی کے ساتھ رہے، سفرنامے بھی لکھے اور حضرت مدظلہ کے علمی کاموں میں خاص معاون رہے، یہاں تک کہ جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔

ان کو لکھنے کا ذوق روزنامچہ لکھنے سے پیدا ہوا، پھر وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا روزنامچہ لکھنے لگے، دسیوں ڈائریاں لکھ ڈالیں، جواب ایک یادگار اور ایک بڑا خزانہ ہے، سوانح نگاری کا ذوق ان کو اپنے نانا حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ سے ملا جو مزید پروان چڑھا، دسیوں ضخیم کتابیں انہوں نے کم وقت میں تیار کردیں، ان کا قلم سیال تھا، لکھتے تو ایک ہی نشست میں دس دس بیس بیس صفحے لکھ ڈالتے، ان کا حافظہ مضبوط تھا، مراجع ان کی نگاہوں کے سامنے تھے، لکھنا ان کی ہابی (Hobby) تھی، وفات سے چند دن پہلے وہ چنڈی گڑھ جانے کے لیے لکھنؤ آئے تھے، اپنے کمرہ میں تھے، ہم اندر گئے تو دیکھا کہ کچھ لکھ رہے ہیں، ہم نے کہا کہ ’’محمود اپنے اوپر رحم کرو۔‘‘ بولے کہ ’’مولانا یونس صاحب نے بڑی اچھی ایک بات فلاں جگہ لکھی، خیال آیا کہ نوٹ کرلیں۔‘‘ جن بزرگوں کی انہوں نے سوانح حیات لکھے، ان میں مولانا عبدالباری صاحب ندوی، مولانا شاہ ابرارالحق حقی، مولانا زبیرالحسن کاندھلوی، مولانا محمد یونس جونپوری، مولانا عبداللہ حسنی، مولانا عبدالباری بھٹکلی ندوی شامل ہیں، مولانا سلمان صاحب مظاہری کی سوانح بھی بڑی حد تک مکمل ہورہی تھی، ’’عائشہ بی‘‘ کے نام سے خاندان کی بزرگ خاتون حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی مکمل سوانح لکھی، ان کے علاوہ تاریخ اصلاح وتربیت کی دو ضخیم جلدیں طبع ہوئیں، دس جلدوں کا خاکہ ان کے ذہن میں تھا، مزید دو جلدوں کا مواد تیار ہے، تیسری جلد مکمل ہوچکی تھی جو انشاء اللہ جلد ہی چھپے گی، سلاسل اربعہ ان کا مقبول رسالہ ہے جو شاید لاکھوں کی تعداد میں چھپا اور نہ جانے کتنی کتابیں انہوں نے دوسروں سے لکھوائیں، کبھی خود لکھ لکھ کردیں۔

وہ بڑے ذاکر وشاغل تھے، ذکر سے ان کو شروع سے مناسبت تھی، قدرے جہر سے ذکر کرتے، تلاوت کا بھی اچھا معمول تھا، ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے، اہل تعلق کو ایئرپورٹ یا اسٹیشن لینے جاتے پھر چھوڑنے جاتے، ہر ایک کے کام آتے، کھلانے پلانے کا شوق تھا۔

حق بات کہنے میں ان کو کوئی باک نہیں تھا، ’’لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ‘‘ کا مصداق تھے، اخیر میں صحابہ کے دفاع میں تیغ براں تھے، اللہ کے لیے ان کو کسی کی پرواہ نہیں ہوتی تھی، غلط کام پر ٹوکتے، شاگردوں کی رہنمائی کرتے اور ان کو کامیابی کے راستے بتاتے، نہ جانے کتنوں کو انہوں نے کام پر لگادیا اور کتنوں کو مصنف بنادیا۔

اللہ نے عزیز موصوف کو بڑی صفات اور بڑی خوبیوں سے نوازا تھا، جو یقیناً دوسری دنیا میں ان کے کام آرہی ہوں گی، لیکن ہم لوگوں کے لیے یہ بڑا خسارہ ہے، اللہ تعالیٰ رحم کا معاملہ فرمائے جانے والے پر اور صبر دے باقی رہنے والوں کو اور صحت وعافیت کے ساتھ رکھے ان کے بھائیوں اور اہل خانہ کو، ’’خوش درخشید ولے شعلہ مستعجل بود‘‘ کے وہ مصداق تھے، عمر کی پچاس بہاریں انہوں نے دیکھیں، لیکن کام سو سال کا کرگئے۔

دین اسلام کی نمایاں خصوصیات

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ

اس کائنات میں ہر زندہ اور متحرک شے کا ایک خاص مزاج، کچھ نمایاں خصوصیات اور ابھرے ہوئے خط وخال ہوتے ہیں، جن سے اس کی شخصیت کی تشکیل اور اس کا تعین ہوتا ہے اور وہ اس کی صفات ممیزہ قرار پاتی ہیں، اس میں افراد، جماعتیں، ملتیں اور قومیں، مذاہب اور فلسفے یکساں طور پر شریک ہیں، وہ سب اپنی کچھ امتیازی خصوصیات اور نمایاں علامات رکھتے ہیں، اس لیے یہ دریافت اور تحقیق حق بجانب ہے کہ دین اسلام کی صفات ممیزہ اور اس کی شخصیت کے صحیح خط وخال کیا ہیں؟ دین کی تفصیلات، تعلیمات، ہدایات اور معین قوانین وضوابط کے مطالعہ اور جستجو سے پہلے ہمیں اس حقیقت سے باخبر ہو جانا چاہیے، کیونکہ دین سے مکمل طور پر فائدہ اٹھانے اور اس کے رنگ میں رنگ جانے کے لیے یہی فطری طریقہ اور اس کے قفل کی شاہ کلید ہے۔

سب سے پہلے ہمیں اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ یہ دین ہم تک حکیموں اور دانشوروں، ماہرین قانون، علمائے اخلاق ونفسیات، کشور کشا اور قانون ساز، بانیان سلطنت، خیالی گھوڑے دوڑانے والے فلاسفہ اور طالع آزما سیاسی رہنماؤں اور طالع آزما اور قوموں کے قائدین کے ذریعہ نہیں پہنچا، یہ دین ہم تک ان انبیائے کرام کے ذریعہ پہنچا ہے جن کے پاس خدائے تعالیٰ کی وحی آتی تھی اور جن کا سلسلہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو چکا ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے دن یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدۃ: ۳) (آج ہم نے تمہارے لیے دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔)

اس دین کا سب سے پہلا امتیاز اور نمایاں شعار عقیدہ پر زور واصرار اور سب سے پہلے اس کا مسئلہ حل کر لینے کی تاکید ہے، انبیاء کے نزدیک بہتر سے بہتر اخلاقی زندگی اور اعلیٰ سے اعلیٰ انسانی کردار کا حامل نیکی وصلاح، سلامت روی اور معقولیت کا زندہ پیکر اور مثالی مجسمہ خواہ اس سے بہتر کسی حکومت کا قیام، کسی صالح معاشرہ کا وجود اور کسی مفید انقلاب کا قیام وظہور ہوا ہو، اس وقت تک کوئی قدر وقیمت نہیں رکھتا، جب تک وہ اس عقیدہ کا ماننے والا نہ ہو جس کو وہ لے کر آئے اور جس کی دعوت ان کی زندگی کا نصب العین ہے اور جب تک اس کی یہ ساری کوششیں اور کاوشیں صرف اس عقیدہ کی بنیاد پر نہ ہوں، یہی وہ حد فاصل اور واضح وروشن خط ہے جو انبیائے کرامؑ کی دعوت اور قومی رہنماؤں، سیاسی لیڈروں، انقلابیوں اور ہر اس شخص کے درمیان کھینچ دیا گیا ہے، جس کا سرچشمہ فکر ونظر انبیائے کرام کی تعلیمات اور سیرتوں کے بجائے کوئی اور ہو۔

دوسری بات یہ کہ انبیاء کرامؑ کی (جن میں سرفہرست نبی ﷺ کی ذات گرامی ہے) دعوت وتبلیغ اور جہد وجہاد کا حقیقی محرک اور سبب محض خدائے تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی طلب ہوتی ہے، یہ ایک ایسی تیز تلوار ہے جو اس مقصد اعلیٰ کے علاوہ ہر مقصد کو کاٹتی اور نیست ونابود کر دیتی ہے، پھر نہ متاع دنیا کی طلب رہتی ہے اور نہ ملک ودولت اور سلطنت وریاست کی چاہت، نہ سربلندی اور عزت کی خواہش، نہ غلبہ واقتدار کی ہوس، نہ سربلندی مال ومنال اور عیش وتنعم کی تمنا، نہ غضب وانتقام کا جذبہ، نہ جاہلی حمیت کا جوش، ان میں سے کوئی چیز بھی ان کو جد وجہد اور جہاد پر نہیں ابھارتی۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ قوت وطاقت جس کے ذریعہ مسلمان احکام خداوندی کا نفاذ کر سکتا ہے اور دعوت کی راہ میں پیش

آنے والی رکاوٹوں کو ہٹا سکتا ہے اور جس کے ذریعہ زمین میں فساد اور ظلم اور باطل کے غلبہ کی آگ بجھا سکتا ہے، مثالی اسلامی زندگی اور شریف ومتدین ایمانی معاشرہ کے لیے سازگار ماحول تیار ہو سکتا ہے، وہ قابل توجہ اور لائق فکر واہتمام نہیں، ہرگز نہیں، یہ تصور غیر اسلامی ہے اور اس رہبانیت کا پرتو ہے جس کے لیے خدائے تعالیٰ نے کوئی دلیل اور سند نازل نہیں فرمائی۔

دین کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ انبیاء کرامؑ ان عقائد، دعوت وپیغام اور شریعت کے بارے میں جس کو وہ لے کر آتے ہیں، بڑے غیور اور ذکی الحس واقع ہوتے ہیں، وہ کسی حال میں بھی (خواہ دعوت کی مقبولیت اور کامیابی کی مصلحت ہی کا تقاضا کیوں نہ ہو) اس کے لیے تیار نہیں ہوتے کہ اپنی دعوت اور شریعت میں ترمیم یا تغیر وتبدل گوارا کرلیں، ان کے یہاں مداہنت اور تبدیلی موقف کی گنجائش نہیں ہوتی، اللہ اپنے پیغمبر ﷺ کو مخاطب کرکے فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدة: ٦٧) (اے پیغمبر! جو ارشادات تم پر خدا کی طرف سے نازل ہوئے ہیں، سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کے پیغام پہنچانے میں قاصر ہو اور خدا تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔)

نبوت کی امتیازی خصوصیات اور انبیائے کرام کے دعوت کے خط وخال میں ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ ان کا اصل زور آخرت کی زندگی اور اس کی کامیابی اور سعادتوں کے حصول پر ہوتا ہے، وہ اس کا اس کثرت سے تذکرہ کرتے ہیں اور اس کا اس درجہ اہتمام وفکر کہ وہ ان کی دعوت کا مرکزی نقطہ اور محور بن جاتی ہے، صاف ذہن کے ساتھ ان کے واقعات اور اقوال کا مطالعہ کرنے والا صاف محسوس کرتا ہے کہ آخرت ان کا نصب العین ہے اور ان کے لیے ایک مرئی اور بدیہی حقیقت ہے، یہ بات ان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے اور اس کا یقین ان کے احساسات اور فکر ودماغ پر چھایا ہوا نظر آتا ہے، اللہ نے اپنے مومن ومطیع بندوں کے لیے آخرت میں جو نعمتیں مقدر کررکھی ہیں اور کافروں اور نافرمانوں کے لیے وہاں جو عذاب مقرر فرمایا ہے، اس کا ہمہ وقت خیال ہی وہ حقیقی محرک ہے جو ان کو عقیدہ کی تصحیح، زندگی کی اصلاح اور رشتۂ عبودیت کی استواری کی دعوت پر ابھارتا ہے، وہ ان کو بے چین رکھتا ہے اور ان کی راتوں کی نیند اور دن کا اطمینان اس طرح اڑا دیتا ہے کہ ان کو کسی پہلو قرار نہیں آتا۔

پانچواں امر یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ خدائے تعالیٰ ہی حاکم حقیقی اور فرمانروائے مطلق ہے، لیکن درحقیقت خالق ومخلوق اور عبد ومعبود کا تعلق، حاکم ومحکوم، آمر ومامور اور ایک بادشاہ اور رعیت کے تعلق سے کہیں زیادہ وسیع، کہیں زیادہ عمیق، کہیں زیادہ لطیف اور کہیں زیادہ نازک ہے۔

اس دین کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنی اصل حقیقت' زندگی اور تروتازگی کے ساتھ باقی ہے، اس کی کتاب محفوظ اور ہر دور میں قابل فہم ہے، اس کی حامل امت عام گمراہی اور جہالت اور اس اجتماعی انحراف' فریب خوردگی اور کسی سازش کا شکار ہوجانے سے محفوظ ہے جس میں بہت سے مذاہب اور ملتیں اپنے تاریخ کے کسی دور میں اور پیروان مسیحیت بالکل ابتداء ہی میں مبتلا ہوگئے تھے، قرآن کا یہ اعجاز اور من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہے کہ اس نے قرآن مجید کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی سورۂ فاتحہ میں عیسائیوں کو ''ولا الضالین'' کے لقب سے ممیّز ومشخص کیا ہے، اس لفظ اور وصف کے (جو یہودیوں کے وصف ''المغضوب علیہم'' سے مختلف ہے) کی تخصیص کا راز وہی سمجھ سکتا ہے جو مسیحیت کی تاریخ اور اس کے نشو وارتقا کے مراحل سے بخوبی واقف ہے۔

آخری بات یہ کہ اسلام کو ایک معاون فضا بلکہ زیادہ واضح اور محتاط الفاظ میں ایک مناسب موسم اور متعین درجہ حرارت وبرودت کی ضرورت ہے، کیونکہ وہ ایک زندہ انسانی دین ہے، وہ کوئی عقلی ونظریاتی فلسفہ نہیں جو صرف دماغ کے کسی خانہ یا کتب خانہ کے کسی گوشہ میں موجود ومحفوظ ہے، وہ بیک وقت عقیدہ وعمل، سیرت واخلاق، جذبات واحساسات اور ذوق کے مجموعہ کا نام ہے۔

ذریعہ کی حیثیت اور فیصلہ خداوندی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

اللہ نے حضرت موسیٰ وخضر کے قصہ سے ''ذریعہ'' اور ''فیصلہ الٰہی'' کے درمیان فرق کر کے دکھادیا، اگر ان دونوں کا سفر جاری رہتا تو شاید اس قسم کے دسیوں واقعات ہمارے سامنے آتے جن سے پتہ چلتا کہ اللہ ذرائع کی بنیاد پر جاری وساری نظام میں اپنے حکم سے تبدیلی کرنے پر کیسا قادر ہے، نبی ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:

"یرحم اللّٰہ موسی لوددت أنه کان صبر حتی یقص علینا من أخبارهما" (صحیح مسلم: ٦٣١٣) (اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم کرے، مجھے آرزو تھی کہ کاش وہ صبر کرتے، یہاں تک کہ ہمیں ان کی اور باتیں معلوم ہوتیں۔)

قرآن میں حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے بطور مثال سمجھانے کے لیے بیان کیا ہے، اس کے بعد کسی شخص کو یہ دھوکہ نہیں ہونا چاہیے کہ کوئی کام اس کی وجہ سے ہو رہا ہے، یا خود بخود انجام پا رہا ہے، بلکہ سب کچھ ایک نظام کے مطابق ہو رہا ہے، وہ نظام اللہ تبارک وتعالیٰ کا بنایا ہوا ہے اور وہ اس پر مسلسل نگاہ رکھے ہوئے ہے، اسی لیے وہ نظام اتنا ہی کرتا ہے جتنا اللہ چاہتا ہے اور جب وہ چاہتا ہے تو اس میں تبدیلی بھی کر دیتا ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے آگ کو جلانے کا ایک ذریعہ بنایا ہے، اس کے اندر وہی صلاحیت موجود ہے، لہٰذا ذرائع کے عام نظام کے لحاظ سے اگر کسی شخص کو آگ میں ڈال دیا جائے تو آگ جلا کر خاک کر دے گی، لیکن اسی آگ میں جب حضرت ابراہیمؑ کو ڈالا گیا تو اللہ نے اس عام نظام کو تبدیل کر دیا اور آگ کے جلانے کی صلاحیت ختم کر دی، قرآن میں ہے:

﴿قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ ☆ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ﴾ (الأنبياء: ٦٩-٧٠) (ہم نے حکم دیا اے آگ! ابراہیم کے لیے ٹھنڈی ہو جا اور سراپا سلامتی بن جا اور انھوں نے ان کے ساتھ برا چاہا تھا مگر ہم نے ان ہی کو نقصان میں لا ڈالا)

معلوم ہوا آگ جلانے کا ذریعہ ہے، مگر اللہ کے حکم کی پابند ہے، اس لیے وہ تبھی تک کارآمد رہے گی جب تک اللہ کا حکم ہوگا۔

اسی طرح ظاہری ذرائع اور نظام کے لحاظ سے ہر شخص یہ بات جانتا ہے کہ مرنے کے فوراً بعد انسان کا جسم سڑنا شروع ہو جاتا ہے اور خراب ہو جاتا ہے، لیکن حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ اس کے بالکل برخلاف واقعہ پیش آیا، وہ سو سال تک مردہ رہے، مگر ان کا جسم ہی نہیں بلکہ ان کا کھانا اور پانی بھی بالکل جوں کا توں محفوظ رہا، جب کہ اسی جگہ پر ان کی سواری کا نام ونشان تک ختم ہو گیا، ارشاد ہے:

﴿أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (البقرة: ٢٥٩) (یا اس شخص کی طرح جو ایک بستی سے گزرا جو سائبانوں کے بل گری پڑی تھی وہ بولا کہاں سے اس کو مرنے کے بعد اللہ زندہ کرے گا تو اللہ نے خود اس کو سو سال مردہ رکھا پھر اٹھا کھڑا کیا (اور پھر) پوچھا کہ تو کتنی مدت (اس حال میں) رہا، وہ بولا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، فرمایا کہ تُو پورے سو سال (اس حال میں) رہا، بس اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ وہ نہیں سڑا اور اپنے گدھے کو دیکھ (کس طرح سڑ گل کر ہڈی چورا ہو گیا) اور یہ اس لیے ہے تاکہ ہم تجھے لوگوں کے لیے نشانی بنائیں اور (اب) ہڈیوں کو دیکھ کس طرح ہم ان کو ابھار کر جوڑ دیتے ہیں اور پھر اس پر گوشت چڑھاتے ہیں بس جب سب کچھ اس کے سامنے آ گیا تو بولا کہ مجھے تو یقین ہے کہ ضرور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔)

(بقیہ: صفحہ ۱۴ پر)

سماج میں ایک نئی تبدیلی کی ضرورت

مولانا عزیز الحسن صدیقی

ہم مسلمانوں سے برابر یہ بات کہتے رہے ہیں کہ پہلے وہ خود اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا سیکھیں، قرآن کا بھی یہی مطالبہ ہے کہ ''مسلمان اسلام میں پورے پورے داخل ہوجائیں اور شیطان کی پیروی نہ کریں۔'' یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی کہ ہم خود تو عمل نہ کریں اور توقع یہ رکھیں کہ دوسرے اسلام میں جوق در جوق داخل ہوں، ظاہر ہے کہ اسلام کا نمونہ تو ہمیں ہی پیش کرنا ہوگا۔

ہمارے سماج میں کیسی کیسی خرابیاں در آئی ہیں، دوسروں کی دیکھا دیکھی کیسی کیسی رسمیں اور من چاہی تقریبیں رواج پا چکی ہیں، کہا نہیں جاسکتا، دوسرے مذاہب میں عورتوں کو وراثت میں شریک نہیں کیا جاتا تو ہمارے سماج میں بھی اسی کا چلن ہے۔ دین مہر شاید دس پندرہ فی صد لوگ ادا کرتے ہوں۔ اس سلسلہ میں کوئی سروے نہیں ہوسکا ہے ورنہ پتہ چل جاتا کہ فی صد کتنے مسلمان عورتوں کو ان کا شرعی حق ادا کرتے ہیں، جو لوگ یہ حق دبائے بیٹھے ہیں وہ خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ وہ بڑے گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں اور انہیں اس کا عذاب جھیلنا پڑے گا۔ اگر شریعت کا دیا ہوا حق ادا کیا جانے لگے تو ہمارے سماج میں انقلاب آجائے گا۔

بیس پچیس سال پہلے کا ریکارڈ اٹھا کر دیکھ لیجیے، کتنے لوگ حج کو جاتے تھے، علیٰ ہذا القیاس مسجدوں کی تعمیر اور مصلیوں کی تعداد کیا ہوا کرتی تھی اور آج کیا ہے؟ یقیناً اس میں کافی اضافہ ہوا ہے، اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ دوسروں کو اچھے یا برے کام کرتے دیکھ کر انسان متاثر ہوتا ہے، ہمیں چاہیے کہ سیئات کے بجائے حسنات وخیرات کی طرف قدم بڑھائیں تاکہ ہمارے اعزہ واحباب کو بھی اس کو اپنانے کی توفیق ہو۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مسلمان منشیات کا استعمال نہیں کرتے؟ خوب کرتے ہیں، جو کل کرتے تھے وہ آج بھی کر رہے ہیں، سود کے لین دین میں بھی بہت سے لوگ گلے گلے ڈوبے ہوئے ہیں، تلک اور جہیز بردران وطن کے دھرم کی رو سے درست ہوسکتا ہے، لیکن ہمارے مذہب میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، فی زمانہ شادی حد سے زیادہ خرچیلی ہو رہی ہے، کورونا کے ابتدائی دور میں سرکاری پابندیوں کے سبب نہایت سادگی اور کفایت شعاری کے ساتھ شادیاں ہونے لگی تھیں لیکن جب سے سختیوں میں کمی آئی ہے، شادیاں خوب دھوم دھام سے ہو رہی ہیں، ایسا کرنے والوں کو شاید اندازہ نہیں ہے کہ فی زمانہ اسلام اور مسلمانوں کو کن حالات سے گزرنا پڑ رہا ہے، کل کی بات ہے کہ معاندین اسلام نے کس طرح شرعی قوانین پر تیشے چلائے، ہرزہ سرائی کی، مذاق اڑایا، طلاق کو عیب گردانا اور ہوّا بنا کر کھڑا کر دیا پھر بھی ہمیں غیرت نہیں آئی۔

ہم اگر جائزہ لیں تو خود اپنے خاندان میں کتنے لوگ ایسے نکل آئیں گے جن کی بیٹیاں گھروں میں بیٹھی بیٹھی بوڑھی ہو رہی ہوں گی، کتنے لوگ بیمار ہوں گے، کتنے معاشی تنگی سے دوچار ہوں گے، ہماری ذرا سی توجہ اور اعانت سے ان کی مشکل آسان ہوسکتی ہے، کتنے ذی استعداد نوجوان اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہوں گے، مگر مالی دشواریوں کی وجہ سے آگے نہ بڑھ پاتے ہوں گے، ہمیں ایسے نوجوانوں کو ملت کا سرمایہ سمجھ کر ان کی ہمت افزائی کرنی چاہیے، ان کی دل کھول کر مدد کیجیے، اس اقدام کی انشاء اللہ تقلید کی جائے گی۔

ہر مسلمان ترجیحی بنیاد پر یہ سارے کام کرے اور جب ایسا ہونے لگے گا تو آپ دیکھیں گے کہ سماج میں ایک نئی تبدیلی اور نئی سوچ پیدا ہوگی اور آنکھیں ٹیڑھی کرنے والے آنکھوں پر جگہ دینے والے بن جائیں گے، ہم ایک بات اور گوش گذار کرنا چاہتے ہیں کہ اگر اتنا مفید نسخہ ہم اب تک استعمال نہ کر سکے تو کیا ضروری ہے کہ اس کے فوائد سے آگاہ ہوتے ہوئے اب بھی اس سے بے پروا رہیں، ہم نے اب تک خوب نعرے لگائے، جلسے کیے، جلوس نکالے مگر کچھ ہاتھ نہیں آیا، اب ذرا یہ کام بھی کر کے دیکھ لیں۔

بے قصور گرفتار مظلوموں کی مدد

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اس وقت ملک میں ایک اندازہ کے مطابق تقریباً دس ہزار مسلم نوجوان سلاخوں کے پیچھے ڈال دیے گئے ہیں، ان کی اکثریت تعلیم یافتہ ہے اور ان ہی کے ذریعے پورے خاندان کی معاشی ضروریات پوری ہوا کرتی تھیں، کئی والدین ہیں جو اپنے بچوں کی دید کی حسرت آنکھوں میں سجائے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے، کئی بیویاں ہیں کہ سالہا سال سے انہوں نے خوشی کا چہرہ نہیں دیکھا، کتنے ہی لڑکے اور لڑکیاں ہیں جن کی معصوم آنکھیں اپنے والد کے انتظار میں آنسو بہا رہی ہیں اور گھر کے ذمہ دار افراد کے جیل میں چلے جانے سے وہ نہ صرف تعلیم و تربیت سے محروم ہیں، بلکہ حلق تر کرنا بھی انکے لیے دشوار مرحلہ ہے، افسوس یہ ہے کہ ان گرفتار نوجوانوں میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جن پر اب تک کوئی فرد جرم عائد نہیں ہوئی ہے، پولیس اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے سے عاجز آچکی ہے، لیکن قانون کی تفصیلات اور عدالتوں کی ہدایتوں کے برخلاف حکومت ان بے قصوروں کو ناکردہ گناہ کی سزا دے رہی ہے، بظاہر ان کا قصور صرف مسلمان ہونا اور دین دار ہونا ہے۔

یہ صورت حال انتہائی تکلیف دہ، مادر وطن کے دامن انصاف پر بدنما دھبہ، ملک کی جمہوریت اور سیکولرزم پر زبردست حملہ، انسانی حقوق کے ساتھ کھلا ہوا مذاق اور اخلاقی اقدار کی پامالی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ فرقہ پرستی کا یہ زہر زندگی کے تمام شعبوں میں خون کی طرح شامل ہو رہا ہے، پھر بھی عدلیہ کا نظام بڑی حد تک غنیمت ہے اور دیر سے سہی مظلوموں کو انصاف مل جاتا ہے، لیکن یہ انصاف بھی دو پہلوؤں سے ادھورا ہے، ایک تو انصاف میں حد سے گزری ہوئی تاخیر، جرم و سزا کے مقدمات کے لیے ایک مدت مقرر ہونی چاہیے کہ اس مدت کے اندر اندر پولیس اپنے ثبوت پیش کر دے اور ملزم کو اپنی صفائی کا موقع مل جائے، کیونکہ انصاف میں تاخیر خود ایک ناانصافی ہے، اگر کسی شخص کی عمر کے دس دس سال صرف معاملہ کی تحقیق میں جیل میں گذر جائیں، تو اکثر اوقات پولیس کی اذیت رسانی اور ذہنی تناؤ کی وجہ سے ایسا شخص کوئی کام کرنے کے لائق نہیں رہتا اور ذرائع ابلاغ کی عنایت سے وہ اس قدر بدنام ہو جاتا ہے کہ اسے لوگ ملازمت دینا پسند نہیں کرتے۔ دوسرے ایسے بے قصور لوگوں کو صرف رہا کر دینا کافی نہیں ہے، عدالت کو چاہیے کہ وہ ایسے لوگوں کو بے قصور گرفتار رکھے جانے کا ہرجانہ ادا کرے، انکو اچھے شہری ہونے کا سرٹیفکیٹ دے، ان کو ان کی صلاحیت کے مطابق ملازمت مہیا کرے، تب جا کر یہ خود انصاف کے ساتھ انصاف ہوگا ورنہ تو وہ انصاف ادھورا ہی سمجھا جائے گا جس میں سالہا سال نوجوانوں کو قید کی صعوبت سے دوچار رکھا جائے، ان کا کیریئر تباہ ہو جائے اور پھر انہیں باعزت بری تو کر دیا جائے، لیکن انہیں ایک ایسے مستقبل کی طرف دھکیل دیا جائے جو ایک تاریک سرنگ کی طرح ہو اور جس کے آگے کوئی روشنی نہ ہو۔

اس سلسلہ میں خود ملت اسلامیہ کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ ہمیں اس پر بھی نظر رکھنی چاہیے، نبی ﷺ نے ہمیں صرف ظلم کرنے سے بچنے کا ہی حکم نہیں دیا ہے، بلکہ مظلوم کی مدد کرنے کا بھی حکم دیا ہے، صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات باتوں کا حکم دیا ہے، ان سات باتوں میں ایک مظلوم کی مدد کرنا ہے۔ لہٰذا مسلمان مختلف طریقوں پر اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کر سکتے ہیں۔

الف: تمام مسلمان متحد ہو کر بیک آواز اپنے اپنے علاقہ میں سیاسی نمائندوں پر دباؤ ڈالیں اور ان سے مطالبہ کریں کہ ان کا ووٹ

اس بات سے مشروط ہوگا کہ وہ بے قصور نوجوانوں کو رہا کرانے میں تعاون کریں اور پولیس کو ان قوانین کا پابند بنانے میں اپنا کردار ادا کریں جنہیں قانون سازوں نے پاس کیا ہے یا جن کے بارے میں عدالتوں کی ہدایات موجود ہیں۔

ب: جمہوری نظام میں عوامی احتجاج کی بڑی اہمیت ہے، اس لیے پورے ملک میں پرامن احتجاج منظم کیا جائے اور قانون اور آئین کی حدود میں رہتے ہوئے ریلیاں نکالی جائیں، سیمینار منظم کیے جائیں، احتجاجی خطوط لکھے جائیں اور جو بھی کوشش ہوسکتی ہے، ان کو روبہ عمل لایا جائے۔

ج: مختلف ریاستوں کی سطح پر بھی ایسے بے قصوروں کے لیے لیگل سیل قائم کیے جائیں، مسلمان وکلاء اس عظیم کاز کے لیے اپنی مفت خدمات پیش کریں، یا کم سے کم فیس لینے کو قبول کریں، سیکولرزم کے حامل غیر مسلم وکلاء سے بھی مدد لی جائے، اہل ثروت مسلمان قانونی چارہ جوئی کے لیے مالی تعاون پیش کریں، قانونی کوششوں کا ہدف صرف ان کی رہائی نہ ہو، بلکہ یہ بھی ہو کہ جن پولیس والوں نے نوجوانوں کو پھنسایا ہے، انہیں قرار واقعی سزا ملے، نیز قانونی کاروائی کو درمیان میں نہ چھوڑ دیا جائے، بلکہ اسے نتیجہ تک پہنچایا جائے اور اس کے لیے مسلسل جدوجہد جاری رکھی جائے۔

د: جو لوگ قید ہیں، ان کے اہل خانہ کی دیکھ ریکھ کا معقول انتظام کیا جائے، اگر ان کے بچے دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو دینی مدارس ان کے ساتھ خصوصی رعایت کریں اور پوری کفالت اپنے ذمہ لیں، اگر وہ عصری تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے ادارے ان کے لیے مفت تعلیم مہیا کریں، اگر ان کی لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ ہو تو مسلمان تاجرین آگے بڑھ کر ان کے لیے اشیائے ضرورت فراہم کریں، ایسے فنڈ قائم کریں جن کے ذریعہ انکے گھر والوں کی ضروریات متوسط درجہ میں پوری ہوجائیں، اگر ان کے بچے بے روزگار ہیں، تو ان کی صلاحیت کے لحاظ سے ان کے لیے روزگار فراہم کرنے کی کوشش کی جائے، ایک ایسی ملت جو بیس کروڑ افراد پر مشتمل ہو، اگر وہ اپنی قوم کے ستم رسیدہ، مظلوم اور مسلمان ہونے کی سے وجہ سے ستائے جانے والے دس ہزار گھروں کی کفالت نہ کرسکے تو اس سے بڑھ کر غیرت کی اور کیا بات ہوگی؟!

ھ: ان کاموں کے لیے مسلمانوں کو ایک منظم ادارہ کی بنیاد رکھنی چاہیے یا مختلف ریاستوں میں مختلف تنظیموں کو خالص دینی اور ملی جذبہ کے ساتھ اس کام کا بیڑا اٹھانا چاہیے، افسوس ہے کہ ہمارا ایک مرض یہ ہوگیا ہے کہ اگر مصیبت کے وقت اللہ کی توفیق سے ہم سے کچھ کام ہوجاتا ہے تو اسکے لیے یہ جھگڑا اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ اس کام میں کس کا کتنا حصہ ہے؟ ہونا یہ چاہیے کہ اگر اللہ کسی سے کچھ کام لے لے تو ہم اپنی خدمات کو اخبارات کے صفحات اور میڈیا کی اسکرین پر رقم کرنے کے بجائے اللہ کے رجسٹر میں درج کرانے کو تیار ہوجائیں، اگر ایسا ہو تو ہم دنیا میں بھی ایک باعزت قوم کی طرح جی سکتے ہیں اور آخرت میں بھی اللہ کی خوش نودی سے ہم کنار ہوسکتے ہیں۔

ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فرقہ وارانہ فسادات، دھماکے اور ان دھماکوں کے نام پر بڑی تعداد میں بے قصور مسلمانوں کی گرفتاری کوئی اتفاقی واقعہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک منصوبہ بند سازش ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو پست ہمت کرنا، انہیں اکیلا وتنہا کردینا، انہیں رسوا وخوار کرنا، انکو ایک بے اثر احساس کمتری سے دوچار، بے حوصلہ، مقاومت کے جذبہ سے خالی، شکست کی نفسیات سے دوچار، غریب ومفلس، جاہل واَن پڑھ، اپنی تاریخ پر شرم سار اور اپنے دین سے بے زار اقلیت بنا کر رکھنا ہے، اگر ہم نے اجتماعیت، مومنانہ فراست، جرأت وہمت، خطرات کا مقابلہ کرنے کی ہمت، ایمانی اخوت، تعلق مع اللہ، ایک داعی کی حیثیت سے برادران وطن کے ساتھ حسن سلوک اور جو مواقع حاصل ہیں، ان سے بھرپور استفادہ کے ساتھ اپنے قدم آگے نہیں بڑھائے تو منزل دور سے دورتر ہوتی چلی جائے گی اور ہماری مظلومیت کی داستاں بھی دراز سے درازتر ہوتی رہے گی، ضروری ہے کہ ہم اپنے چہرے سے غفلت کی چادریں اٹھائیں، شعور کی آنکھیں کھولیں، عزم وحوصلہ کو اپنا ہتھیار بنائیں اور اجتماعیت کا طریقہ کار اپنائیں۔

سچائی کیا ہے؟

بلال عبدالحی حسنی ندوی

سچ اور جھوٹ کی تاثیر:

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ -عَلَيْهِ وَعَلَىٰ جَدِّهِ وَأَبِيهِ السَّلَامُ- قَالَ: حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَىٰ مَا لَا يَرِيبُكَ، فَإِنَّ الصِّدْقَ طُمَأْنِينَةٌ وَالْكِذْبَ رِيبَةٌ.(سنن الترمذی: ۲۵۱۸)

(حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ کی یہ بات یاد ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس چیز میں تم کو شک ہو اس کو چھوڑ دو اور اس کو اختیار کرو جس میں تم کو شک نہ ہو، سچائی میں اطمینان ہے اور جھوٹ میں بے اطمینانی ہے۔)

حضرت حسنؓ نے رسول ﷺ کی ایک حدیث نقل کی کہ جو چیز تمہارے اندر کھٹک پیدا کرتی ہے، اس کو چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو تمہارے سینہ میں نہ کھٹکے اور تم بے خوف وہ بات قبول کرسکو، یہ ایک بنیادی اصول ہے کہ غلطی کھٹکتی ہے اور سچ ہضم ہوجاتا ہے، اچھی بات آدمی کے دل کے اندر آسانی سے اتر جاتی ہے اور جو غلط بات ہوتی ہے وہ دل میں بہرحال کھٹکتی ہے، چاہے وہ قول ہو اور چاہے وہ عمل ہو، آدمی بہت سارے ایسے کام کرتا ہے، جو کرتا تو ہے لیکن دل اس بات پر کھٹکتا رہتا ہے کہ ٹھیک ہے یا نہیں، پھر سوچتا ہے کر لیتے ہیں اس میں کیا حرج ہے، یہ جو ”کیا حرج ہے“ یہ آدمی کو وہاں تک پہنچا دیتا ہے جس میں حرج ہی حرج ہے، ایک جگہ آتی ہے کہ آدمی کہتا ہے کیا حرج ہے؟ پھر آدمی وہاں پہنچتا ہے جہاں حرج ہی حرج ہے۔

ایک بنیادی اصول:

مذکورہ حدیث میں آپ ﷺ نے ایک بنیادی اصول دیا ہے، اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے:

”استفت قلبك“ (اپنے دل سے فتویٰ لو۔)

(ترغیب وترہیب: ۲/۵۵۷)

یعنی اگر تم لوگوں سے فتویٰ پوچھو گے تو وہ فتویٰ دے دیں گے، لیکن ذرا دل سے بھی تو فتویٰ پوچھو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، تمہارے دل میں کچھ کھٹک ہے یا دل صاف ہے، اس بات کے سلسلہ میں کوئی عمل ہو اور اس عمل کے سلسلہ میں اگر تمہارا دل صاف ہے تب تو وہ بات ٹھیک ہے اور اگر تمہارے دل کے اندر کھٹک ہے، تو سمجھ لو کہ اس میں کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے۔

تحمل روایت کی شرط:

آپ ﷺ نے حضرت حسنؓ کے سامنے یہ بات فرمائی تھی جو ان کو یاد رہی، جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تب وہ چھوٹے تھے، اس وقت ان کی عمر زیادہ نہیں تھی، مگر ایسی کم عمر بھی نہ تھی کہ حدیثیں محفوظ نہ کرسکیں، تحمل روایت کی محدثین کے یہاں جو شرط ہے، وہ زیادہ سے زیادہ چار سال ہے، اس عمر میں لوگوں کو باتیں یاد رہ جاتی ہیں، اس سے کم جو عمر ہوتی ہے اس میں عام طور سے باتیں یاد نہیں رہتیں، لہٰذا اس سے کم عمر کی بہت سے لوگ اپنی جو باتیں بتاتے ہیں وہ ایسے ہی اڑاتے ہیں، کسی نے کوئی خواب دیکھ لیا اور اب تو موبائل میں لوگ اتنا دیکھتے ہیں کہ دیکھتے دیکھتے لگتا ہے ہاں واقعی دیکھا تھا، تو اس کا اعتبار نہیں، البتہ چار سال کی عمر میں باتیں یاد رہتی ہیں۔

حضرت حسنؓ نے جس وقت یہ روایت سنی تو خاصے بڑے تھے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں، انہی میں ایک یہ حدیث بھی ہے جو ایک اصولی بات ہے کہ جو چیز تمہیں کھٹک رہی ہو اس کو چھوڑ دو اور جو چیز بے کھٹک ہو، تمہارے دل میں اس کے متعلق ذرا بھی غبار نہ پیدا ہو رہا ہو، اس کو اختیار کرلو۔

غیر دینی مزاج:

واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسا اصول ہے اگر آدمی اس کو اختیار

کرلے تو بہت سی غلط باتوں سے بچ سکتا ہے، ورنہ آدمی تاویلیں کرتا ہے اور اب تو حال یہ ہے کہ آدمی اپنے فائدے کے لیے اگر ایک دار الافتا میں مطلب کا فتویٰ نہ ملے تو دوسرے دار الافتاء جاتا ہے، وہاں نہ ملے تو تیسری جگہ جاتا ہے، گویا اس کے سامنے شریعت زیادہ نہیں ہے، بلکہ اس کو اپنے مطلب کی بات چاہیے، یہ غیر دینی وغیر شرعی بات ہے اور یہ دینی مزاج سے بالکل ہٹی ہوئی بات ہے، جب ایک مرتبہ تمہیں شریعت کی بات بتادی گئی تو اس کو مان لو، تم دس جگہ اسی لیے تو جاتے ہوتا کہ تمہارے مطلب کی بات ملے، اس میں لوگ یہ کرتے ہیں کہ جو استفتاء تیار کرتے ہیں اس میں ہیر پھیر کرتے ہیں، حالانکہ سوال کا جواب تو وہی ہوگا جو تم سوال کروگے، اب تمہارا جیسا سوال ہوگا ویسا ہی جواب ہوگا، لہٰذا اس کو لے کر تم مطمئن ہوگئے، تو یہ جو سوال بدل بدل کر تم فتویٰ پوچھ رہے ہو، یہ اسی لیے ہے تاکہ تمہارا جواب بدل جائے، گویا تمہارے دل میں میل ہے۔

آج ہم لوگوں کا یہ جو مزاج ہے کہ دین کو اپنے تابع بنایا جائے، اپنی ضرورت کے تابع بنایا جائے، یہ مزاج بہت ہی خطرناک ہے، ہونا تو یہ چاہیے کہ اپنے مزاج کو دین کے تابع بنایا جائے، اپنی ضرورتوں کو دبایا جائے، اپنے مفادات کو پیچھے کیا جائے، دین کے تقاضوں کو آگے کیا جائے۔

قلب سلیم کی ضرورت:

کسی عمل کے متعلق جب دل کے اندر کھٹک ہوتی ہے، وہ کھٹک تبھی ہوتی ہے جب آدمی الٹے سیدھے کام کرتا ہے، جب سیدھا چلتا ہے تو کھٹک ہی نہیں ہوتی، لہٰذا دل صاف ہونا چاہیے اور آدمی کو وہ چیزیں اختیار کرنا چاہیے جو سیدھی سیدھی دین کی باتیں ہیں اور جو اس کے نزدیک معتبر عالم ہو، جس کے ساتھ وہ وقت گذار چکا ہو، جس کو جانتا ہو کہ وہ سچا عالم ہے، امانت دار ہے، اگر دل میں کوئی بات کھٹک رہی ہے اور سمجھ رہا ہے کہ صحیح ہے یا غلط ہے تو اس سے پوچھ لے، ورنہ جب تک نہ پوچھے اور کھٹک رہے تو ہرگز نہ کرے، اس لیے کہ جب کھٹک ہوگی تو آدمی چکر میں پڑے گا۔

سچ اور جھوٹ کا فرق:

نبی ﷺ نے فرمایا: "فَإِنَّ الصِّدْقَ طُمَأْنِينَةٌ وَالْكِذْبَ رِيبَةٌ" (بلاشبہ سچائی میں اطمینان ہے اور جھوٹ میں بے اطمینانی ہے)

یہ حقیقت ہے کہ سچ بولنے والا ہمیشہ مطمئن رہتا ہے، اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ کہیں پھنسیں گے نہیں اور جھوٹ بولنے والا ہمیشہ شبہ میں رہتا ہے، اول تو اپنی ذات کے اعتبار سے شبہ میں رہتا ہے کہ ہم نے یہ غلط کیا یا صحیح کیا' کچھ پتہ نہیں، دوسرے وہ اندر کے ایک ادھیڑ بن میں رہتا ہے کہ میں نے فلاں موقع پر فلاں بات کہہ دی تھی، کہیں میں پکڑا نہ جاؤں، میں نے وہ بات غلط کہی تھی، اسی لیے آدمی جھوٹ سے ہمیشہ پریشانی میں رہتا ہے اور جو ہمیشہ ہر جگہ سچ بولتا ہے وہ کبھی پریشانی میں نہیں پڑتا، بڑے اطمینان میں رہتا ہے تو سچائی خود اطمینان ہے اور جھوٹ خود تردد ہے، ظاہر ہے جھوٹ میں جو بات کہی گئی وہ خلاف واقعہ کہی گئی، اب اس میں خود بخود تردد پیدا ہوگا کہ اب کبھی آئندہ کوئی بات پیش آئے گی تو اس کی تحقیق ہوگی اور میں پھنس جاؤں گا، اس لیے کہ جب تحقیق ہوگی تو بات خلاف واقعہ سامنے آئے گی، لہٰذا یہ خود ایک تردد ہے، سچی بات یہ ہے کہ ہر وہ عمل جو شریعت کے خلاف ہو، وہ دل میں کھٹک پیدا کرتا ہی ہے اور جھوٹ تو بہت بڑا گناہ ہے، آدمی اگر جھوٹ بولے گا تو دل کے اندر میل پیدا ہی ہوگا اور کھٹک پیدا ہی ہوگی، اس لیے کہ شریعت پر عمل کرنے میں اطمینان ہے اور عمل نہ کرنے میں تردد اور کھٹک ہے، لہٰذا اگر کسی شخص کی زندگی میں پریشانی ہے تو آدمی اپنی پوری زندگی کو دیکھے اور اس کا جائزہ لے۔

حاصل بحث:

سچائی دین کی ایک اہم بنیادوں میں سے ہے، سچائی ہے تو دین کی پوری عمارت صحیح قائم ہے اور اگر سچائی نہیں ہے تو انسان کہاں جا کر پھنس جائے اور دین کی عمارت کہاں ڈھہ جائے کچھ پتہ نہیں، اس لیے ہمیشہ اس کا خیال رکھنا چاہیے، آپ ﷺ نے سچائی کے بارے میں فرمایا کہ اس سے اطمینان حاصل ہوتا ہے اور جھوٹ کے بارے میں فرمایا کہ یہ شک وشبہ کی چیز ہے اور دل میں کھٹک پیدا کرنے والی چیز ہے۔

نکاح کے چند مسائل (۴)

مفتی راشد حسین ندوی

نکاح صحیح ہونے کی شرائط:

پہلی شرط: نکاح کی پہلی شرط یہ ہے کہ عقد کرنے والا عاقل بالغ ہو، چنانچہ پاگل اور ناسمجھ بچہ نکاح کرے تو سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا اور اگر سمجھ دار بچہ اپنا نکاح کرلے تو ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ (ہندیہ:۱/۲۷۶، بدائع:۲/۴۹۰)

دوسری شرط: جس عورت سے نکاح کرنا ہے، وہ ان محرمہ عورتوں میں سے نہ ہو جن کا بیان بعد میں آئے گا۔ (ہندیہ:۱/۲۶۷)

تیسری شرط: عاقدین میں سے ہر ایک کا اصالۃً یا وکالۃً دوسرے کا کلام سننا۔ (ہندیہ:۱/۲۶۷)

چوتھی شرط: گواہوں کے ساتھ نکاح ہونا۔

مسلمان مرد کا جب مسلمان عورت سے نکاح ہو رہا ہو تو گواہ میں مندرجہ ذیل چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنایا جائے۔ (۲) یہ گواہ مسلمان ہوں۔ (۳) آزاد ہوں (موجودہ دور میں اس شرط کی کوئی ضرورت نہیں، اس لیے کہ سب آزاد ہی ہوتے ہیں) (۴) گواہ عاقل ہوں مجنون کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ (۵) بالغ ہوں، نابالغ کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

(ہندیہ:۱/۲۶۷، شامی:۲/۲۹۵ ومابعد)

کون گواہ بن سکتا ہے؟

جس کے اندر مندرجہ بالا شرائط پائی جائیں، وہ گواہ بن سکتا ہے، خواہ وہ رشتہ دار ہو یا اجنبی اور خواہ اس کا تعلق لڑکی سے ہو یا لڑکے سے، جو لوگ لڑکی سے اجازت کے وقت گواہ بنائے جاتے ہیں، یہ ضروری نہیں ہے کہ عقد کے وقت بھی وہی گواہ بنائے جائیں، دوسرے گواہ بھی بنائے جاسکتے ہیں، بلکہ جتنے لوگ محفل نکاح میں موجود ہوں اگر انہوں نے ایجاب وقبول سنا ہے تو شرعاً سب گواہ ہیں۔ (مصادر مذکورہ)

تنہا عورت کی گواہی:

تنہا عورتوں کی گواہی سے شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوتا، خواہ ان کی تعداد چار یا اس سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، گواہی میں ایک مرد کا ہونا لازمی ہے۔ (مصادر مذکورہ)

فاسق وغیرہ کی گواہی:

بہتر یہ ہے کہ عادل دین دار شخص کو گواہ بنایا جائے، تاکہ اگر نکاح کے متعلق اختلاف ہوجائے تو ان کی گواہی قضا میں پیش کی جاسکے، لیکن اگر کسی وجہ سے فاسق کو گواہ بنادیا یا نابینا کو گواہ بنادیا تو شرعاً نکاح منعقد ہوجائے گا، اگرچہ اختلاف کی صورت میں قضا میں ان کی گواہی معتبر نہیں ہوگی۔ (ہندیہ:۱/۲۶۷، شامی:۲/۲۹۷)

کافروں کے نکاح میں گواہی:

کافر اگر آپس میں نکاح کریں تو ان کے نکاح میں گواہ کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی مسلمان کسی عیسائی یا یہودی عورت سے نکاح کرے تو گواہوں کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، اگر کسی عیسائی اور یہودی کو گواہ بنالیا تب بھی نکاح ہوجائے گا۔

(ہندیہ:۱/۲۶۷)

گواہوں کا ایک ساتھ ایجاب وقبول سننا:

ایک شرط یہ بھی ہے کہ گواہ ایجاب وقبول ایک ساتھ سنیں، چنانچہ اگر ایک گواہ نے ایجاب وقبول سنا، پھر وہ چلا گیا، پھر دوسرے گواہ کی موجودگی میں پھر ایجاب وقبول کیا گیا یا ایک گواہ نے ایجاب سنا اور دوسرے نے قبول سنا، تو نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ (شامی:۲/۲۹۶)

نکاح کی پانچویں شرط:

ان شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں ہو، چنانچہ اگر ایجاب الگ مجلس میں ہو اور قبول الگ مجلس میں ہو تو نکاح منعقد نہیں ہوگا، مثلاً: ایک نے دوسرے کی موجودگی میں ایجاب کیا اور دوسرے نے اس وقت قبول کرنے کے بجائے مجلس بدلنے کے بعد قبول کیا تو نکاح صحیح نہیں ہوگا، اسی طرح اگر

ایک نے دوسرے کی غیر موجودگی میں گواہوں کی موجودگی میں ایجاب کیا اور دوسرے کو جب اس کی اطلاع دی گئی تو اس نے قبول کرلیا تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوگا، خواہ انہی دونوں گواہوں کی موجودگی میں قبول کرے۔ (ہندیہ:۱/۲۶۹، شامی:۲/۲۸۹)

چھٹی شرط: اگر عورت بالغ ہے تو نکاح سے اس کا رضامند ہونا شرط ہے، بالغہ کی رضامندی کے بغیر ولی اس کا جبری نکاح کرائے تو منعقد نہیں ہوگا۔ (ہندیہ:۱/۲۶۹)

ساتویں شرط: یہ ہے کہ ایجاب وقبول میں موافقت ہو، چنانچہ اگر کہا جائے کہ میں نے تمہارا نکاح فلانہ بنت فلاں سے ایک سو گرام چاندی پر کیا اور شوہر کہے: میں نے نکاح قبول کیا، مہر قبول نہیں ہے، تو نکاح نہیں ہوگا، اسکے برخلاف اگر نکاح قبول کرلیتا اور مہر پر سکوت اختیار کرتا تو نکاح ہوجاتا۔ (شامی:۲/۲۸۹، ہندیہ:۱/۲۶۹)

آٹھویں شرط: یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی معلوم ہوں، چنانچہ اگر کسی شخص کی دو بیٹیاں تھیں اور وہ صرف یہ کہے کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح تم سے کردیا اور جس بیٹی کا نکاح کرایا اس کی تعیین نہ کرے تو نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ (ہندیہ:۱/۲۷)

فون اور جدید ذرائع ابلاغ پر ایجاب وقبول:

نکاح کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں ہو (دیکھئے پانچویں شرط) لہٰذا فون یا جدید ذرائع ابلاغ مثلاً: انٹرنیٹ، ویب سائٹ، فیکس اور ٹیلی گرام وغیرہ کے ذریعہ اگر ایک ایجاب اور دوسرا قبول کرے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا، اس لیے کہ دونوں کی مجلسیں الگ الگ ہوتی ہیں، البتہ جو شخص موجود نہیں ہے وہ کسی کو اپنے نکاح کا وکیل بنادے، مثلاً: اس سے کہے: ''تم میرا نکاح فلانہ سے کرادو، یا میں تم کو فلانہ سے نکاح کرانے کا وکیل بناتا ہوں وغیرہ'' اور وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں اپنے موکل کی طرف سے ایجاب کرے اور دوسرا فریق اسے قبول کرے تو نکاح منعقد ہوجائے گا، وکیل خواہ فون کے ذریعہ بنائے یا ان ذرائع ابلاغ میں سے کسی کے ذریعہ بنائے، خواہ اپنے عزیز واقارب میں سے کسی کو بنائے یا کسی اجنبی کو۔ (کتاب الفتاویٰ:۴/۳۰۴-۳۰۶)

وہ عورتیں جن سے نکاح کرنا حرام ہے:

جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، ان کی پوری تفصیل قرآن میں بیان کی گئی ہے، فقہاء نے اسی کی روشنی میں ان مسائل کو بیان فرمایا ہے، اس لیے پہلے ان آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتاً وَسَاءَ سَبِيلاً☆حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُوراً رَّحِيماً☆وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم مُّحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ﴾ (النساء: ۲۲-۲۴)

(اور تمہارے باپ جن عورتوں سے نکاح کرچکے ہوں تم ان سے نکاح نہ کرنا، سوائے اس کے جو پہلے ہوچکا، یقیناً یہ بڑی بے حیائی ہے اور سخت ناراضگی کا کام ہے اور بدتر راستہ ہے، تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور تمہاری بھتیجیاں اور تمہاری بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہارے زیر تربیت تمہاری سوتیلی بیٹیاں جو تمہاری ان بیویوں سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہے اور اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو، سوائے اس کے جو ہوچکا (تو ہوچکا) بلاشبہ اللہ بہت مغفرت فرمانے والا نہایت رحم کرنے والا ہے اور وہ عورتیں بھی (تم پر حرام کی گئیں) جو

دوسروں کے نکاح میں ہوں سوائے ان کے جن کے تم مالک ہوئے، یہ تم پر اللہ کا طے شدہ حکم ہے، ان کے علاوہ (عورتیں) تمہارے لیے حلال کی گئیں کہ تم اپنے مالوں کے بدلہ (نکاح میں لانا) چاہو، نکاح کا رشتہ قائم کرنے کے لیے، مستی نکالنے کے لیے نہیں۔)

حرمت نکاح کے اسباب:

اس آیت کریمہ اور بعض دوسری آیات اور احادیث کے پیش نظر فقہاء نے حرمت نکاح کے کچھ اسباب تحریر فرمائے ہیں، جو ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱) نسبی قرابت کی بنیاد پر حرمت۔ (۲) مصاہرت (یعنی رشتہ نکاح سے وجود میں آنے والی قرابتوں) کی بنیاد پر حرمت۔ (۳) رضاعت (یعنی بچپن میں دودھ پینے کی وجہ سے) حرمت۔ (۴) جمع کی بنیاد پر حرمت، جیسے دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا یا ایسی دو عورتوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا جو باہم دوسرے کی ذو رحم محرم ہوں۔ (۵) دوسرے کے نکاح یا عدت میں ہونے کی وجہ سے حرمت۔ (۶) زوجین میں سے کسی کے مشرک ہونے کی وجہ سے حرمت۔ (۷) تین طلاق دینے کی وجہ سے حرمت۔

غلام اور باندی سے تعلق رکھنے والے اسباب۔ نیز ان اسباب کا ذکر قصداً چھوڑ دیا گیا جن کی کبھی ضرورت نہیں پڑتی۔

(شامی: ۲/۳۰۰)

نسبی قرابت کی بنیاد پر حرمت:

نسبی قرابت کی بنیاد پر مندرجہ ذیل عورتیں حرام ہیں:

(۱) ماں، دادی، نانی اوپر تک (یعنی اصول) (۲) فروع: لڑکی، پوتی، نواسی نیچے تک۔ (۳) بہن خواہ سگی ہو یا باپ شریک ہو یا ماں شریک ہو۔ (۴) بھتیجی اور بھانجی نیچے تک۔ (۵) پھوپھی اور خالہ اور اپنے ماں باپ کی پھوپھی اور خالہ، خواہ یہ حقیقی پھوپھی اور خالہ ہوں، خواہ باپ شریک پھوپھی اور خالہ ہوں یا ماں شریک پھوپھی اور خالہ ہوں۔ خیال رہے کہ اس طبقہ میں حرمت صرف پھوپھی اور خالہ تک محدود رہتی ہے، پھوپھی، خالہ نیز چچا کی لڑکیوں سے نکاح جائز ہے۔ (ہندیہ: ۱/۲۷۳، شامی: ۲/۳۰۰-۳۰۱)

بقیہ: ذریعہ کی حیثیت اور فیصلہ خداوندی

اس واقعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ساری خصوصیات اللہ کی ہی پیدا کی ہوئی ہیں، ہر چیز کی خصوصیت اسی کی بنائی ہوئی ہے اور وہی خصوصیت اس میں چل رہی ہے، مگر اللہ اس بات پر پوری طرح قادر ہے کہ وہ جہاں چاہے وہاں اس خصوصیت کو روک دے جس کی بہت سی وجوہات ہوسکتی ہیں، کبھی کبھی اللہ تعالیٰ آدمی کی نیکی اور اس کے صلاح کی وجہ سے نقصان سے بچانے کے لیے بعض چیزوں کی خصوصیت ختم کردیتا ہے یا ظاہری ذرائع کے نظام میں تبدیلی کردیتا ہے مثلاً: اگر کسی شخص کا کوئی نیک عمل پسند آگیا تو آخرت میں ثواب دینے کے علاوہ دنیا میں بھی اس کے ساتھ خاص فضل کا معاملہ کرتا ہے، لہٰذا اگر اس کے اوپر کوئی مصیبت آنے والی ہوتی ہے تو اس کو ٹال دیتا ہے اور مصیبت سے بچا کر عافیت وسلامتی عطا فرماتا ہے۔

اس سے ایک اور بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اگر انسان مصیبتوں کا شکار ہو رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کہیں نہ کہیں اس سے کوئی ایسی غلطی یا کوتاہی ہو رہی ہے جس کی وجہ سے مصیبت آرہی ہے، قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر ہے، ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ﴾ (اور تم جس مصیبت سے بھی دوچار ہوتے ہو وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور کتنی چیزیں وہ درگزر کر جاتا ہے)

آیت سے پتہ چلتا ہے کہ جو مصیبتیں آتی ہیں وہ بداعمالیوں کی نحوست ہوتی ہے جو مصیبت کی شکل میں آتی ہے، لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کسی ظاہری وجہ سے ہم اس مصیبت کا شکار ہوئے ہیں اور اپنی بد اعمالیوں پر نگاہ نہیں ڈالتے۔ اسی طرح جب کوئی فائدہ یا نعمت حاصل ہوتی ہے تو یہ سوچتے ہیں کہ اس کو ہم نے اپنی تدبیر اور عقل کی بنیاد پر حاصل کیا ہے، اس میں کسی کا کوئی احسان نہیں ہے، حالانکہ انسان کی عقل یا تدبیر اسی وقت کارگر ہوسکتی ہے، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہو، ورنہ سب کوششوں کے باوجود بھی عقل حیران رہ جاتی ہے اور تدابیر باطل ہوجاتی ہیں۔

کتمانِ علم - ایک سنگین جرم

عبدالسبحان ناخداندوی

جولوگ کام چور ہوتے ہیں، جدوجہد کا مزاج نہیں رکھتے، ذمہ داری سے فرار اختیار کرتے ہیں، وہ حقیقت میں آیات کو چھپاتے ہیں، تاکہ ان پر کوئی الزام نہ آئے، منافقت کے ساتھ آرام کی زندگی بسر کرنے کے لیے ان کو وجہ جواز بھی ملے، یہود جدوجہد کرنے والی قوم نہیں تھے، اس لیے ذمہ داری سے فرار اختیار کرنے کے لیے آیات کو چھپانے کا پورا دروازہ انہوں نے کھول لیا تھا، مزید حاسد بھی تھے، اگر توریت کی آیات سے کسی قوم کی فضیلت معلوم ہوتی تو اس قوم کو گرانے کے لیے انہوں نے یہ مذموم طریقہ ایجاد کیا تھا کہ آیتوں کو چھپا چھپا کر اپنی دینی چودھراہٹ کو برقرار رکھا جائے، اپنے سلسلہ کے انبیاء کے علاوہ کسی اور نبی کی فضیلت ان کو گوارا نہیں تھی، بلکہ خود اپنے انبیاء کا کوئی صاف شفاف عمل ان کی نفسانیت کی گندگی کا ساتھ نہیں دیتا تو ان سے متعلق بھی آیات کو چھپانے یا بدلنے کی کوشش کرتے، بالخصوص نبی ﷺ اور امت مسلمہ کے تعلق سے انہوں نے حد ہی کر ڈالی، ان تمام آیات کو پہلے چھپایا پھر مٹایا جو حضور ﷺ اور آپ کے اصحاب سے متعلق تھیں، ذبیح اللہ جو حقیقت میں حضرت اسماعیل تھے، ان سے یہ فضیلت چھین کر اپنے جدامجد حضرت اسحاق کو دی، جن احکامات پر عمل دشوار ہوتا ان آیات کو چھپانے میں ان کو کوئی عار نہیں تھا، خود ان کے علماء نے توریت کی شرح کے نام پر جو تلمود تیار کی وہ تحریف وکتمان بلکہ تغلیط آیات کا ایک عجوبہ ہے، مزید اسے دینی رنگ دینے کے لیے یہ بہتان بھی اپنے سر لیا کہ توریت کی جو تشریح ان کے من میں آئے گی وہ کریں گے اور وہی منشائے الٰہی قرار پائے گی، بھلے اس سے توریت کی کھلم کھلا نافرمانی لازم آئے، کتمان، بہتان، تحریف، ترمیم، حذف واضافہ اور پتہ نہیں کیا کچھ، اللہ کی کتاب توریت کے ساتھ یہود نے ایسا بدترین ظلم کیا، مگر افسوس کی بات ہے کہ پھر بھی وہ اپنے آپ کو اللہ کے لاڈلے کہتے رہے، ان کی پوری تاریخ ﴿فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ سے شروع ہوکر ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ﴾ پر ختم ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں جابجا مقامات پر ان کے جرائم بیان کیے گئے ہیں، ایک جگہ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ﴾ (البقرۃ: ۱۵۹) (یقیناً وہ لوگ جو ہماری اتاری ہوئی کھلی نشانیوں کو اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم نے اس کو لوگوں کے لیے کتاب میں صاف صاف بیان کردیا ہے، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں۔)

ضرورت کے وقت کسی چیز کو چھپانے کا نام "کتمان" ہے، چھپانے والے یہود تھے، یہود نے بہت کچھ چھپایا، خاص طور پر آنحضرت ﷺ کے تذکرہ کو چھپایا، وہ خوب جانتے تھے کہ اگر ان کے اوصاف کو ظاہر کیا گیا تو خود ان کے لحاظ سے آپ ﷺ کی حقانیت ظاہر ہوجائے گی اور پوری قوم کے لیے ایمان لانا ضروری ہوجائے گا، ورنہ سب کی نگاہوں سے گر جائیں گے، اس کا علاج انہوں نے یہ سوچا کہ ان آیات ہی کو چھپایا جائے جن سے آپ ﷺ کی حقانیت ظاہر ہوتی ہے، اس طرح انسانوں میں جھوٹی عزت پانے کے لیے اللہ کی نظروں سے گرنا گوارا کرلیا، یہ انتہا درجہ عبرت انگیز بات تھی کہ جن کو خصوصی طور پر ﴿وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ﴾ (اس کو سب سے پہلے جھٹلانے والے نہ بنو) کہا گیا تھا، انہوں نے ہی بڑھ چڑھ کر جھٹلایا، اللہ کی آیات سے کھلواڑ کیا اور جھوٹی عزت کی تلاش میں ہمیشہ کی لعنت کا طوق پہن لیا۔

آیت میں "فی الکتاب" سے مراد توریت ہے، وہ اللہ کی کتاب

تھی، لوگوں کے لیے اتری تھی، ان بد باطنوں نے آیات کو چھپا کر اللہ کی کتاب کی ہدایت سے اللہ کے بندوں کو روکا، یہ دہرے مجرم تھے، کتمان آیات کے اور صدعن سبیل اللہ کے، اللہ کی آیات کو چھپانے کے نتیجہ میں اللہ کی لعنت کے مستحق بنے اور لوگوں کو ہدایت سے روکنے کے نتیجہ میں ہر ہر لعنت کرنے والے کی لعنت کے مستحق ہوئے۔ لعنت کا مطلب دھتکار کر دور کرنے کا ہے، اللہ کی لعنت کا مطلب ہے کہ اللہ ان سے بیزار اور وہ اللہ کے ثواب اور اسکی محبت سے محروم ہیں۔

ایک اور جگہ اس آیت کی مزید تشریح ہے، اللہ کی طرف سے اہل کتاب کو یہ حکم تھا کہ تمام لوگوں کے سامنے کتاب کو کھول کر رکھیں:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ﴾ (وہ وقت قابل ذکر ہے جب اللہ نے اہل کتاب سے عہد لیا تھا کہ وہ ضرور کتاب کو لوگوں کے سامنے خوب بیان کریں گے اور اسے قطعاً نہیں چھپائیں گے، لیکن انہوں نے اس عہد کو پس پشت پھینک دیا اور ایک حقیر قیمت کے عوض اس عہد کو بیچ دیا، کتنی بری چیز ہے جسے وہ خرید رہے ہیں۔)

اس عہد کا ذکر موجودہ محرف توریت میں بھی چلا آرہا ہے:

"میں تمہیں جو حکم دیتا ہوں اس میں نہ تو کچھ اضافہ کرنا اور نہ اس میں سے کچھ گھٹانا، بلکہ خداوند! تمہارے خدا کے جو احکام میں تمہیں دے رہا ہوں ان کے پابند رہنا۔" (استثناء:۴/۲)

"تم یہ باتیں اپنی اولاد اور ان کے بعد ان کی اولاد کو سکھاؤ۔"
(استثناء:۴۹/۹)

"یہ احکام جو آج میں تمہیں دے رہا ہوں، تمہارے دل پر نقش ہوں، تم انہیں اپنی اولاد کے ذہن نشین کرو، جب تم گھر میں بیٹھے ہو یا راہ چلتے ہو یا لیٹے ہو یا جب اٹھو تو ان کا ذکر کرتے رہا کرو۔"
(استثناء:٦/٨)

"میرے ان الفاظ کو اپنے دل ودماغ پر نقش کرلو اور نشان کے طور پر انہیں اپنے ہاتھوں پر باندھ لو اور اپنی پیشانیوں پر ٹیکوں کی طرح لگالو، جب تم گھر میں بیٹھے ہو اور جب تم راہ پر چلتے ہو اور جب تم لیٹے ہو اور جب تم اٹھو تو ان کا ذکر کرتے ہوئے انہیں اپنے بچوں کو سکھاؤ۔"
(استثناء:۱۱/۱۹-۲۰)

"لیکن اگر تم میری نہ سنوگے اور ان سب احکام پر عمل نہ کروگے اور میری شریعت کو مسترد کروگے اور میرے قوانین سے نفرت کروگے، میرے تمام احکام کی تعمیل میں ناکام رہوگے اور یوں میرے عہد کی خلاف ورزی کروگے تو میں تمہارے ساتھ اس طرح پیش آؤں گا کہ ناگہانی دہشت، گھلانے والی بیماریاں اور بخار تم میں بھیج دوں گا جو تمہاری بینائی کو تباہ کریں گے اور تمہاری جان لے لیں گے۔"
(احبار:۲٦/۱۵-۱٦)

یہود کے تعلق سے خود ان کی کتاب کی تصریحات آپ نے ملاحظہ کیں، علاوہ ازیں اوپر بیان کی گئی قرآنی آیت میں حکم عام ہے لہٰذا جو بھی وقت ضرورت صحیح بات نہیں بتائے گا، وہ اس آیت کی وعید میں شامل ہوگا، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"من سئل عن علم فكتم ألجم بلجام من نار يوم القيامة"(أبو داؤد: ٣٦٥٨) (کسی سے کسی علم کے بارے میں پوچھا جائے اور اسے وہ چھپائے تو قیامت کے دن (اس کے منہ پر) آگ کی لگام کس دی جائے گی۔)

آگ کی یہ لگام منھ پر اس لیے کس دی جائے گی کہ جو منہ اللہ کے علم کے لیے کھل نہ سکا، اس کے لیے آگ کی لگام ہی مناسب ہے، البتہ یہ بات واضح رہے کہ لوگوں کے سامنے دقیق باتیں پیش کرنا جن کی ان کو ضرورت نہیں، بلکہ ان باتوں سے الٹے ان کے ذہن میں غلط سلط شکوک پیدا ہوں، یہ بالکل صحیح نہیں ہے، ان باتوں کو ظاہر نہ کرنا کتمان علم میں شامل نہیں، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مذکورہ آیت میں "البينات والهدى" کو واضح کرنے کا حکم دیا ہے، اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

"كلموا الناس على قدر عقولهم، أتريدون أن يكذب الله ورسوله"(صحيح البخاري) (لوگوں سے ان کی عقلی سطح کو دیکھ کر بات کرو، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ ورسول کو جھٹلایا جائے۔)

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ
کا مذاق شعر وسخن

محمد ارمغان بدایونی ندوی

''اچھا اور بڑا آدمی بجائے خود اچھا شعر ہوتا ہے۔''
(پروفیسر رشید احمد صدیقی)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی مذاق شعر وسخن کی دولت موروثی تھی، ان کے والد ماجد حکیم سید عبدالحی حسنیؒ ایک کامیاب مؤرخ ہونے کے ساتھ باذوق ادیب بھی تھے، جنہیں بیک وقت عربی اور اردو دونوں زبانوں میں عبور حاصل تھا۔ اسی طرح حضرت مولاناؒ ہی کے خاندان کے ایک بزرگ مولانا سید ابوالخیر برق صاحب بھی زبان وادب کی لطافت اور اس کے بانکپن سے بہرہ ور تھے، خود بھی شعر کہتے تھے اور اچھے کہتے تھے، نیز آپ کے عم محترم مولانا سید طلحہ حسنیؒ اور ماموں زاد بھائی حافظ سید حبیب الرحمٰن صاحب بھی اردو ادب کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت مولاناؒ کے خاندان میں دستور تھا کہ تقریباً روزانہ گھر کی خواتین اپنے بچوں کو لے کر ایک جگہ جمع ہوتیں اور کوئی نہ کوئی منظوم کلام وجد کے ساتھ پڑھ کر محفل میں موجود سب کو محظوظ کرتیں، بالخصوص ''صمصام الاسلام'' یا ''مسدس حالی'' وغیرہ پڑھی جاتی، جس میں پڑھنے والیوں کی آواز گلوگیر ہوجاتی اور سننے والوں کے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ اس پر مستزاد یہ کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا عہد طفولت خالص علم دوست اور ادب نواز تھا جس میں شعر گوئی اور شعر فہمی پڑھے لکھے ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی، اس زمانہ میں اسماعیل میرٹھی اور مولانا ظفر علی خاں کا مجموعہ کلام شرفاء کے گھرانوں کی زینت تھے، حضرت مولاناؒ نے ان مجموعوں کو بارہا پڑھا اور سنا جس کے گہرے نقوش لوح دل پر مرتسم ہوئے تھے، حضرت مولاناؒ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اس مجموعہ کے مضامین نظم ونثر کے بار بار پڑھنے سے ہم لوگوں کے اندر اچھی عبارت اور اچھے شعر کا لطف لینے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔'' (پرانے چراغ:۲/۳۰۶)

حضرت مولانا کے مذاق شعر وسخن کو جلا بخشنے میں محمد حسین آزاد کی کتاب ''آب حیات'' کا بڑا کردار ہے، جس کے بارہا مطالعہ سے اشخاص، شعراء اور ان کا کلام دماغ پر نقش ہوگیا۔ اس کے علاوہ آپ کے والد ماجد کی شہرہ آفاق تصنیف ''گل رعنا'' تو گھر کی تصنیف تھی، اس کے متعلق حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خود یہ بیان ہے:

''گل رعنا گھر کی کتاب تھی، اس کو اتنے بار پڑھا کہ اردو شاعری کی تاریخ اور شعراء کے متعلق اتنے معلومات ہوگئے کہ اس موضوع پر مجلس میں گفتگو کرنے اور گفتگو میں حصہ لینے کی استعداد پیدا ہوگئی۔''
(کاروان زندگی:۱/۹۴)

حضرت مولاناؒ کی نشو ونما ادبی ماحول میں ہوئی جس کا طبعی اثر یہ ہوا کہ آپ کا دماغی سانچہ ادب آفرینی، ادب آموزی اور ادب پروری کا خزینہ بن گیا اور اس کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے ذہن رسا نے بھی نوعمری ہی میں کچھ اشعار موزوں کرنے کی کوشش کی اور اس کا شوق پیدا ہوا، مگر آپ کا مقصدِ حیات عالم اسلام کے اہم معرکے سر کرنا تھا' نہ کہ شعر خوانی، اسی لیے اس شغل بے حاصل سے محتاط رہنا ضروری تھا، کاروان زندگی میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اس زمانہ میں مشاعروں کا بڑا زور تھا، خود ہمارے چھوٹے گاؤں میں کئی مشاعرے ہوئے، دیکھا دیکھی میں نے بھی کچھ موزوں کرنے کی کوشش کی، مگر اللہ تعالیٰ بڑے بھائی صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے بہت سختی سے روک دیا اور یہ شغل بے حاصل جاری نہ رہ سکا۔'' (کاروان زندگی:۱/۹۵)

اس کے بعد گرچہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا شعر وشاعری سے باضابطہ اشتغال نہ رہا، تاہم آپ کی تحریریں وتقریریں، نجی مجلسیں اور بسا اوقات نالہ نیم شبی میں آپ کا شعری ذوق ابھر کر سامنے آجاتا ہے، بروقت اشعار کا استحضار اور بعض مرتبہ موقع کی مناسبت سے الفاظ کی ہلکی تبدیلی سے شعر کی معنویت میں اضافہ پیدا کرنے کا ہنر حضرت مولاناؒ کو بخوبی حاصل تھا، ایسا لگتا کہ یہ آپ ہی کی تخلیق ہے۔

حضرت مولاناؒ کی شہرہ آفاق تصنیف ''پرانے چراغ'' ان کے

مذاق شعر وسخن کا بھی شاہکار ہے جس میں جگہ جگہ ان کے اشہب قلم سے برمحل وبرجستہ اشعار نکلتے جاتے ہیں، مفتی امین الحسینی جو تا عمر قبلہ اول بیت المقدس کے لیے سینہ سپر رہے، ان کے تذکرہ کا اختتام حضرت مولانا میر تقی میر کے ایک شعر سے اس طرح کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر انہی کے لیے کہا گیا ہے، آپ لکھتے ہیں:

''جہاں تک مسئلہ فلسطین اور بیت المقدس کی بازیابی کے لیے جدوجہد کا سوال ہے تو ان کو یہ کہنے کا حق ہے کہ ؎

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے''

(پرانے چراغ:۲/۸۸)

۱۹۸۶ء میں جب حضرت مولانا کا عالمی رابطہ ادب اسلامی کے اجلاس میں شرکت کے لیے ترکی کا سفر ہوا اور حضرت مولانا کے خطاب کی باری آئی تو بقول مفکر اسلام ''میرے ایک طرف ایک ممتاز ترک ادیب واہل قلم بیٹھے تھے، دوسری طرف مشہور عرب مصنف اور اسلامی مفکر محمد قطب رونق افروز تھے۔'' (کاروان زندگی:۳/۱۶۵)

ایسے موقع پر حضرت مولاناؒ نے برجستہ علامہ اقبالؒ کے ایک ایسے شعر سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا، جس سے زیادہ بہتر اس مجلس کے لیے کوئی اور شعر موزوں نہ ہوسکتا تھا، آپ نے کہا:

عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت مولانا سخن نواز تھے، وہ شعر وسخن کا ذوق ہی نہیں بلکہ ذائقہ رکھتے تھے، تاہم اللہ تعالیٰ نے آپ کو سخن سنجی کی وہبی صلاحیتیں بھی عطا فرمائی تھیں، جس کا نتیجہ تھا کہ حضرت مولاناؒ اکثر وبیشتر برجستہ اشعار میں اس طرح جزوی ترمیم کردیتے تھے کہ معنی کا رخ ہی بدل جاتا تھا اور شعری تراکیب کی اصول شکنی بھی نہیں ہوتی تھی۔ ایک موقع پر میڈیا کے نمائندوں کے سامنے حضرت مولاناؒ نے گفتگو کے دوران میں فارسی شعر کا ایک مصرع پڑھا ؏

زیر قدمت ہزار جان است

پھر اس شعر میں ایک حرف کی ترمیم کے ساتھ یوں پڑھا ؏

زیر قلمت ہزار جان است

اس ترمیم کے بعد حضرت مولاناؒ نے صحافیوں سے خطاب کیا: ''آپ کے قلم کے نیچے ہزار جانیں ہیں، اس لیے میں کہوں گا کہ احتیاط سے کام لیں۔'' (انسانیت کی مسیحائی:۲۶۱)

ایک موقع پر مکہ مکرمہ میں کسی کے یہاں دعوت کی مناسبت سے حضرت مولانا نے موٹر پر کہیں جاتے ہوئے برجستہ ایک مسدس بھی کہی جو دراصل جگر مرادآبادیؒ کے ایک شعر کے وزن پر ہے ؎

سب کو مارا جگر کے شعروں نے
اور جگر کو شراب نے مارا

اسی شعر کے وزن پر حضرت مولاناؒ نے یوں قافیہ باندھا:

عاشقوں کو شباب نے مارا
فاسقوں کو شراب نے مارا
عالموں کو کتاب نے مارا
منشیوں کو حساب نے مارا
ہم جو اب تک بچے رہے سب سے
ہم کو روٹی کباب نے مارا

(مجالس علم وعرفان:۲۷۶)

حضرت مولاناؒ کو شعراء میں علامہ اقبالؒ سے سب سے زیادہ مناسبت تھی، اس لیے کہ کلام اقبال آپ کی فکر وعقیدہ سے ہم آہنگ اور شعور واحساس کا ہم نوا تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت مولاناؒ ہی وہ واحد شخصیت ہیں جنھوں نے عرب دنیا میں اقبال فہمی کی داغ بیل ڈالی، آپ کی مشہور تصنیف ''روائع اقبال'' ادب، فکر اور دعوت کا ایک عطر بیز مجموعہ ہے۔ عراق کے شاعر سلطان نجفی کہتے ہیں:

''اقبال کو اس کتاب کے پڑھنے کے بعد میں شاعر اسلام سمجھتا ہوں۔'' (کاروان ادب اسلامی (۲۰۰۱-۲۰۰۲ء) صفحہ:۲۹۶)

اردو میں یہ کتاب ''نقوش اقبال'' کے نام سے ہے جو بلاشبہ افکار ومعانی کی بلندی کے ساتھ اردو ادب کا گرانقدر سرمایہ ہے۔

محمد نفیس خاں ندوی

فلسطین کا منظر نامہ

جرمن یہودی موسی ہیس (Moses Hess) نے روم اور یروشلم (Rome And Jerusalem) کے نام سے ایک کتاب لکھی جو 1862 میں چھپ کر مارکیٹ میں آئی۔ اس کتاب میں یہودیوں کی عالمی حکومت کا تصور پیش کیا گیا ہے اور اس کا مرکزی مقام فلسطین کی سرزمین کو بتایا گیا ہے۔ یہ تصور گویا دنیا بھر کے یہودیوں کے دل کی پکار تھی، چنانچہ بہت جلد اسے قبول عام حاصل ہوا، اور عمومی دلچسپی کا موضوع بن گیا، پھر پوری بے باکی کے ساتھ اس موضوع پر لکھنے اور بولنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ 1896 میں اس سلسلہ کی سب سے مشہور کتاب "The Jewish State" (یہودی یاست) منظر عام پر آئی تھی جس کا مصنف معروف یہودی صحافی تھیوڈر ہرزل (Theodor Herzl) تھا، اس نے اپنی کتاب میں یہودی ریاست کے جغرافیائی ونظریاتی حدود کے خدو خال کو نمایاں کرکرے پیش کیا اور اس کی سرحدیں مغربی روس کے پہاڑی سلسلہ کوہ اورال (Ural Mountains) سے لے کر نہر سوئز تک وسیع کردیں۔

تھیوڈر ہرزل نے اپنے نظریہ کی اشاعت میں ہر ممکن طریقہ اختیار کیا، اس کی کوششیں رنگ لائیں اور یہود پوری سنجیدگی کے ساتھ اس کی جانب متوجہ ہوئے جس کی عملی تصویر 1897 میں سوئزرلینڈ میں صہیونی کانفرنس کا انعقاد ہے، اس کانفرنس میں فلسطین پر یہودی قبضہ اور اسرائیل کے قیام کی قرارداد منظور ہوئی۔

کانفرنس کی کامیابی کے بعد صہیونیت نے اپنے بال وپر کھول دیے اور قبضۂ فلسطین کی عملی شکلیں شروع ہوئیں، اس وقت ساری دنیا صہیونی اقدامات پر خاموش تماشائی بنی رہی اور اس خاموشی کی اہم وجہ یہودیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی عالمی خواہش تھی، چونکہ یہودی باری باری متعدد اقوام کو ڈس چکے تھے، سازش تخریب کاری ان کی فطرت تھی، نہ وہ کسی حاکم سے خوش ہوتے اور نہ کوئی حکمراں ان کی طرف سے مطمئن رہتا، ملک کا امن وامان ان کی وجہ سے ہمیشہ خطرات میں گھرا رہتا، یہ لوگوں کے بچوں کو اغوا کرکے قربانیوں کی نہ صرف بھینٹ چڑھادیتے تھے بلکہ سازش اور مکر کے میدان میں اتنے جری تھے کہ پانی کے چشموں اور تالابوں میں زہر بھی ملادیتے تھے۔ چنانچہ ساری عالمی برادری ان سے چھٹکارا اور نجات چاہتی تھی اس لئے تمام اقوام نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ یہودی بلا کو عربوں پر مسلط کردیا جائے، اور ان کا تمام مکروفریب عربوں تک محدود ہوجائے۔ چنانچہ یورپ نے یہودیوں کی خصوصی مدد کی اور ان کو عرب ریاستوں میں اپنا مرکز بنانے کی ہر ممکن مدد فراہم کی۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران یہودیوں نے جرمنی کے خلاف برطانیہ سے معاہدہ کیا جس کی رو سے برطانیہ نے اعلان بالفور میں صہیونی اغراض ومقاصد کی حمایت کا وعدہ کیا۔ یہودیوں کی اس طرح کی سازباز مختلف نوعیتوں میں پورے یورپ سے جاری رہی یہاں تک کہ 1948 میں اسرائیل کو دنیا کے نقشے پر وجود مل گیا۔

اقوام متحدہ (United Nations) نے فلسطین پر یہودیوں کے قبضے کو قانونی رنگ دینے کے لئے آسٹریلیا، کنیڈا، یوگوسلاویہ، ہند، ہالینڈ اور ایران سمیت چند دیگر ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک کمیشن تشکیل دیا، اس کمیشن کے قیام کا مقصد فلسطین کے زمینی حالات سے اقف ہونا اور وہاں مقیم یہودیوں اور فلسطینیوں کا موقف ک سمجھنا تھا۔ فلسطین کا دورہ کرنے کے بعد یہ کمیشن کسی مشترکہ نتیجے تک نہ پہنچ سکا اور دو الگ الگ رائے میں تقسیم ہوگیا، ایک رائے یہ تھی کہ فلسطین کو داخلی طور پر عربی اور یہودی دو حکومتوں

میں تقسیم کردیا جائے اور بیت المقدس کو دارالحکومت قرار دیا جائے۔ جبکہ دوسری رائے فلسطین کو مستقل طور پر یہودی اور عربی نامی دو حصوں میں تقسیم کرنے کی تھی، یہودیوں نے اس دوسری رائے کو سراہتے ہوئے مستقل یہودی ریاست کے قیام کا اعلان کردیا اور کھل کر میدان سیاست ومیدان جنگ میں اتر آئے۔ اقوام متحدہ نے بھی یہودیوں کو مایوس نہیں کیا اور تقسیم فلسطین کے فارمولے کو منظور کرلیا۔

اسی سال برطانیہ نے فلسطین سے نکلتے ہوئے اپنا تمام تر جنگی ساز وسامان یہودیوں کے حوالہ کردیا۔ یہ ہتھیار یہودیوں کے ہاتھوں میں پہنچنے کی دیر تھی کہ انہوں نے فلسطینی مسلمانوں پر شب خون مارنا شروع کردیا اور پے در پے مسلمانوں کی املاک پر قابض ہوتے چلے گئے اس شب خون اور قتل وغارت کے نمایاں مثال جنین نامی کیمپ ہے

اسرائیل نے اپنا وجود منوانے اور اپنی سرحدوں کو وسیع کرنے کے لیے ظلم وبربریت کی ساری حدیں پار کردیں، اس کی زیادتیوں کا اندازہ عراق، لبنان (جہاں کے کیمپوں اور ان سے ملحق علاقے کی آبادی کو ''ساحلی پٹی'' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے) اور شام ومصر کے کیمپوں میں پناہ گزیں فلسطینیوں کی حالت زار سے لگایا جاسکتا ہے جہاں زندگی کی بنیادی ضروریات کی زبردست قلت ہے، شفا خانے (Health Centres) ناکافی ہیں اور جو ہیں وہاں بھی بنیادی سہولیات مہیا نہیں۔

اسرائیل کے مسلسل مظالم ودرندگی کی کوئی انتہا نہیں، یہ وہ بھیڑیے ہیں جو معصوم بچوں اور عورتوں کا شکار کرتے ہیں، اور جب کبھی یہ جھنڈ کے جھنڈ بنا کر حملہ آور ہوتے ہیں تو اسے سیکورٹی آپریشن (Security Operation) کا نام دے دیتے ہیں، اور پھر اس آپریشن میں وہ کیمیائی ہتھیار، میزائیل، کلسٹر بم، ڈیزی کٹر بم، فاسفورس بم، راکٹ، F-16, F-18 طیارے اور ہر طرح کے جنگی ہتھیاروں کا کھلم کھلا استعمال کرتے ہیں جس میں بے گناہ انسانوں کا خون پانی کی طرح بہتا ہے، اور سیکڑوں جانیں بھوک وپیاس میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دم توڑ دیتی ہیں۔

حالیہ دنوں میں "Operation Breaking Dawn" (آپریشن بریکنگ ڈاؤن) کے نام سے اسرائیل نے ایک بار پھر فلسطین کے خلاف جارحانہ کارروائی کی ہے، یہ آپریشن 5 سے 7 اگست تک مسلسل تین دن تک جاری رہا، اسرائیلی وزیر اعظم یائر لیپڈ (Yair Lapid) نے بیان دیتے ہوئے کہا: ان کے ملک نے دہشت گردی کے خطرہ کے پیش نظر آپریشن کیا ہے، جس میں اہداف کا باریک بینی سے تعاقب کیا جارہا ہے۔'' غزہ کے مہاجر جبالیہ کیمپ پر اسرائیلی فضائیہ کی بمباری میں تقریباً پچیس افراد جاں بحق اور دوسو سے زائد بے گناہ زخمی ہوئے ہیں، یہ آپریشن اسلامی جہاد نامی تنظیم کے خلاف تھا جس میں تنظیم کے قائد تیسیر الجبری بھی شہید ہوئے ہیں جبکہ دوسری جانب فوجی چھاپوں میں تنظیم کے تقریباً 20 اراکین کو گرفتار بھی کرلیا گیا۔

اسرائیل کی مسلسل فضائی بمباری، گولہ باری اور فوجی کاروائی میں غزہ میں متعدد سرکاری ونجی عمارتیں تباہ ہوئیں، درجنوں افراد جاں بحق اور بڑی تعداد میں زخمی ہوئے، غزہ کا واحد بجلی ہاؤس بند کردیا گیا تھا جس کی وجہ سے غزہ تاریکی میں ڈوب گیا تھا، اس محصور پٹی میں عام نظام حیات معطل، کاروبار زندگی تباہ اور عام شہری بنیادی ضرورتوں سے محروم اپنے گھروں میں ڈرے سہمے بیٹھے ہوئے ہیں۔

اسرائیل نے صرف فلسطینیوں کے گھر نہیں اجاڑے بلکہ ان سے ان کے جینے کا حق ہی چھین لیا ہے، بچے بچپن کی معصومیت سے محروم کردیے گئے، عورتوں کی زندگیوں سے عصمت اور حیا جیسے الفاظ کھرچ کر پھینک دیے گئے، نوجوان جوانی کے مفہوم اور اس کے تقاضوں سے واقف بھی نہ ہو پائے، اور بوڑھے تو بس اپنی زندگی کا بوجھ ڈھو رہے ہیں، ایسی زندگی جس میں زندگی کا کوئی مفہوم نہیں۔

اسرائیلی جارحیت کی بدولت فلسطینی سرزمین ایک بار پھر سے لہولہان ہے، جبکہ بے گناہ نوجوانوں کی سر بریدہ لاشوں اور پاکدامن و باحیا خواتین کی فلک شگاف آہ وبکا پر مسلم حکمرانوں کی خاموشی ایک سلگتا ہوا تازیانہ بن کر امت مسلمہ کے جسد واحد پر برس رہا ہے!!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے دور ہونے کا نتیجہ

شیخ الاسلام جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

''ہم نے سنتوں کو چند ظاہری سنتوں کی حد تک محدود کرلیا ہے، مثلاً: سنت ہے کہ مسواک کرنا چاہیے، داڑھی رکھنی چاہیے اور ظاہری وضع قطع سنت کے مطابق کرنی چاہیے، یہ سب سنتیں ہیں، ان کی اہمیت سے بھی جو انکار کرے وہ سنتوں سے ناواقف ہے، لیکن سنتیں اس حد تک محدود نہیں، عام تعلقات اور معاملات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو طرزِ عمل تھا، وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا ایک بہت بڑا حصہ ہے اور جس اہتمام کے ساتھ دوسری سنتوں پر عمل کرنے کا دل میں داعیہ پیدا ہوتا ہے، اس سے بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ اس سنت پر عمل کرنے کی فکر کرنی چاہیے کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیں، بلکہ برائی کا بدلہ حسن سلوک سے دیں، سنت کے مطابق اچھائی سے دیں، اب ذرا ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں کہ ہم اس سنت پہ کتنا عمل کر رہے ہیں؟ ہمارے ساتھ اگر کسی نے برائی کی ہے تو کتنا انتقام کا جذبہ دل میں پیدا ہوتا ہے اور کتنی اس کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں؟ اگر غور کرو تو معاشرے کے فساد کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کو چھوڑ دیا ہے، ہماری سوچ یہ ہوتی ہے کہ اس نے چونکہ میرے ساتھ برائی کی ہے، میں بھی اس سے برائی کروں گا، اس نے مجھے گالی دی ہے، میں بھی دوں گا، اس نے مجھے میری شادی پر کیا تحفہ دیا تھا تو میں بھی اتنا ہی دوں گا اور اس نے شادی پر تحفہ نہیں دیا تھا تو میں بھی نہیں دوں گا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ سب کچھ بدلہ کرنے کے لیے ہو رہا ہے، بدلہ کرنے والا درحقیقت صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہوتا، حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ ''حقیقت میں صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے کہ دوسرا تو قطع رحمی کر رہا ہے اور رشتہ داری کے حقوق ادا نہیں کر رہا ہے اور یہ جواب میں قطع رحمی کرنے کے بجائے اس کے ساتھ اچھا معاملہ کر رہا ہے۔

درحقیقت سنت صرف یہ نہیں ہے کہ آسان آسان سنتوں پر عمل کرلیا جائے، بلکہ ہر ایک سنت پر عمل کی فکر کرنی چاہیے اور انسان اس سنت کے جتنا قریب ہوگا، اتنا ہی معاشرے کا فساد ختم ہوگا، غور کرکے دیکھ لو اور تجربہ کرکے دیکھ لو کہ جو بگاڑ پھیلا ہوا ہے، وہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے دور ہونے کا نتیجہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاف فرما دیتے اور درگزر سے کام لیتے، کوئی کچھ بھی کہہ دے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جواب نہیں دیتے اور جو اللہ کے ولی ہوتے ہیں، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہوتے ہیں اور ان کا طریقہ بھی یہی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کا کچھ حصہ ہم کو بھی عطا فرما دے۔ آمین!''

(اصلاحی خطبات: ۱۲/ ۱۴۷-۱۵۱)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 14 ✦ September 2022 ✦ Issue: 09

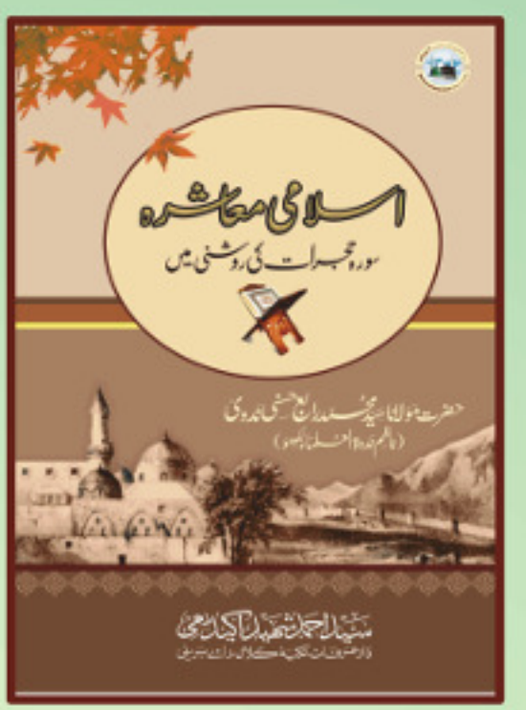

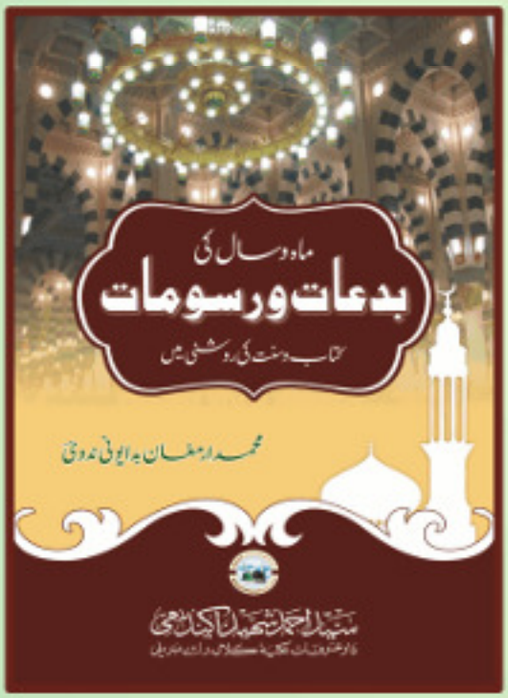

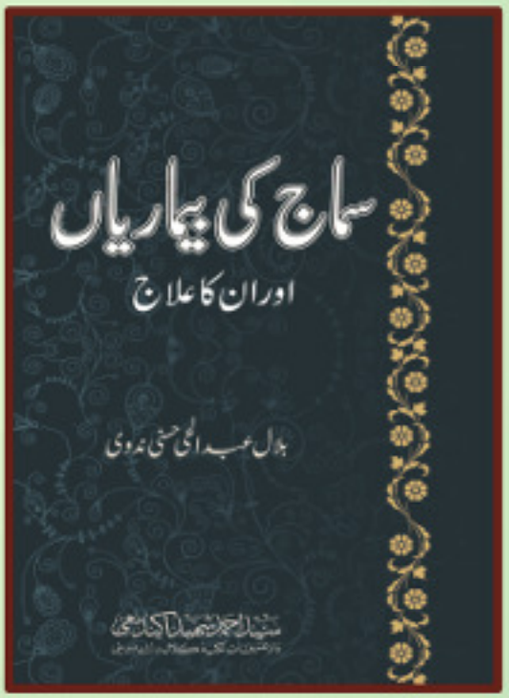

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)